الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

اسلام یہ ہے کہ آدمی خدا کی منع کی ہوئی چیزوں
سے بچ کر زندگی گزارے ——————
روزہ ہر سال یہی سبق دینے کے لئے فرض کیا گیا ہے

شمارہ ۴۴ زرتعاون سالانہ ۲۴ روپے قیمت فی پرچہ
جولائی ۱۹۸۰ خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے دو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

الرسالہ

جولائی ۱۹۸۰

شمارہ ۴۴

جمعیۃ بلڈنگ ، قاسم جان اسٹریٹ ، دھلی ۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک اقتباس

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ مسلمان مسلمان کے اوپر نرم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اہل ایمان کے مقابلہ میں اپنی طاقت کبھی استعمال نہ کرے۔ اس کی ذہانت، اس کی ہوشیاری، اس کی قابلیت، اس کا رسوخ و اثر، اس کا مال، اس کا جسمانی زور، کوئی چیز بھی مسلمانوں کو دبانے اور ستانے اور نقصان پہنچانے کے لئے نہ ہو۔ مسلمان اپنے درمیان اس کو ہمیشہ ایک نرم خو، رحم دل، ہمدرد اور حلیم انسان ہی پائیں۔

تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ ۴۸۲

الرسالہ کے لئے بنک سے رقم بھیجتے ہوئے ڈرافٹ پر صرف الرسالہ منتقل Al-Risala Monthly لکھیں

اتحاد کی جڑ تواضع

حاجی امداد اللہ صاحب (۱۸۱۷ - ۱۸۹۹) نے فرمایا: اتفاق کی جڑ تواضع ہے۔ اگر ہر شخص کا حال یہ ہو جائے کہ وہ اپنے مقابلہ میں دوسرے کو بہتر سمجھنے لگے تو نااتفاقی کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیوں کہ نااتفاقی اسی سبب سے پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر سمجھتا ہے اور اپنی ذات کو اور اپنی بات کو ہر حال میں اوپر رکھنا چاہتا ہے جب کوئی اپنے کو بہتر نہ سمجھے تو اس کے بعد اختلاف کس بات پر ہوگا۔

بہت سے لوگ ایک ساتھ رہتے ہوں تو بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے رائے یا مفاد کا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر ہر آدمی کے اندر اپنی بہتری کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔ میری رائے سب سے اچھی ہے، میرا حق سب سے زیادہ ہے میرے مفاد کا تحفظ سب سے پہلے ضروری ہے۔ یہ احساسات ہر آدمی کو دوسرے آدمی کا حریف بنا دیتے ہیں اور آپس کا اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر اگر دونوں فریق اکڑ جائیں تو باہمی اختلاف جنم لیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک آدمی تواضع کا انداز اختیار کرے، وہ اپنی رائے یا اپنے مفاد کو اوپر رکھنے کے بجائے نیچے رکھنے پر راضی ہو جائے تو اس کے بعد اختلاف خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اور معاشرہ میں اتحاد کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے گی ـــــ اختلاف کے باوجود متحد ہونے کا نام اتحاد ہے نہ کہ اختلاف کے بغیر متحد ہونے کا۔

یہ ممکن نہیں کہ لوگوں کے درمیان اختلاف اور شکایت پیدا نہ ہو۔ اختلاف اور شکایت کا پیدا ہونا بالکل فطری ہے۔ اس لئے باہمی اتحاد کی صورت صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ لوگ اختلاف سے دل میلا نہ کریں۔ اختلاف کے باوجود باہم متحد ہو کر رہیں۔

جب بادشاہ بھی جھک جاتے تھے

چوتھی صدی ہجری کا واقعہ ہے۔ اندلس میں سلطان عبدالرحمٰن الناصر کی حکومت تھی۔ اس کا دارالسلطنت قرطبہ تھا۔ قاضی منذر بن سعید اس وقت قرطبہ کے قاضی تھے اور اسی کے ساتھ وہ قرطبہ کی جامع مسجد میں نماز کی امامت کی خدمت بھی انجام دے رہے تھے۔ وہ بہت اچھے خطیب تھے اور اسی کے ساتھ بہت بڑے عالم بھی۔

سلطان عبدالرحمٰن الناصر کو عمارتوں کا بہت شوق تھا۔ اس نے الزہراء کے نام سے ایک شاہی بستی بسائی اور اس میں شان دار محل تعمیر کئے۔ ان تعمیرات کے آخری دنوں میں سلطان اتنا مشغول رہا کہ مسلسل تین جمعہ میں وہ مسجد نہ پہنچ سکا۔ چوتھے جمعہ کو جب وہ جامع مسجد آیا تو اس کی موجودگی میں قاضی منذر نے جو خطبہ دیا اس میں نام لئے بغیر سلطان پر سخت تنقید کی۔ قاضی منذر نے ایسی آیتیں پڑھیں جن میں دنیا میں عمارتیں کھڑی کرنے اور آخرت سے غافل ہو جانے پر وعیدیں تھیں۔ مثلاً: کیا تم ہر بلندی پر عبث یادگاریں تعمیر کرتے ہو اور شان دار محل بناتے ہو گویا کہ تم کو ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے۔ اور جب تم کسی پر حملہ کرتے ہو تو جبارانہ حملہ کرتے ہو۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو (شعراء) تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات کگر پر اٹھائی اور وہ اس کو لے کر جہنم کی آگ میں جا گری۔ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔ یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے، ہمیشہ ان کے دلوں میں بے یقینی کی جڑ بنی رہے گی یہاں تک کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اور اللہ علیم وحکیم ہے (توبہ) اسی طرح قاضی منذر نے اس مضمون کی بہت سی حدیثیں سنائیں اور ان کی تشریح کی۔ اپنے خطبہ میں اگرچہ انھوں نے سلطان کا نام نہیں لیا مگر مسجد کا ہر نمازی سمجھ رہا تھا کہ ان سخت تنقیدوں کا مخاطب کون ہے اور وہ کس کے اوپر پڑ رہی ہیں۔

تنقیدیوں بھی آدمی کے اوپر بہت سخت ہوتی ہے اور جب مجمع عام میں کسی پر تنقید کی جائے تو وہ اور بھی زیادہ ناگواری کا باعث ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ یہ تنقید ایک ماتحت کی زبان سے اپنے حاکم کے اوپر تھی۔ اور جب کوئی حاکم اپنے ماتحت کو تنقید کرتے ہوئے سنتا ہے تو اس پر کبر کا سخت دورہ پڑتا ہے۔ بڑے بڑے شریف اور دین دار لوگ بھی اس وقت قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ مگر سلطان نے حد درجہ ضبط سے کام لیا۔ اگرچہ

سلطان پر اس تنقید کا بہت زیادہ اثر تھا مگر وہ مسجد میں کچھ نہ بولا اور نماز کے بعد خاموشی سے اٹھ کر باہر آگیا۔

گھر پہنچ کر سلطان نے اپنے لڑکے الحکم سے کہا کہ آج قاضی منذر نے مجھ کو بہت تکلیف دی۔ اب میں نے طے کر لیا ہے کہ ان کے پیچھے جمعہ کی نماز کبھی نہیں پڑھوں گا۔ الحکم نے کہا: قاضی منذر کا امام ہونا یا نہ ہونا آپ کے اختیار میں ہے۔ آپ ان کو معزول کر دیجئے اور ان کی جگہ دوسرا کوئی امام مقرر کر دیجئے جو ایسی گستاخی نہ کرے۔ یہ سن کر سلطان غصہ میں آگیا۔ اس نے اپنے لڑکے کو ڈانٹ کر کہا: تمھارا برا ہو، ایک شخص جو ہدایت سے دور ہے اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہے کیا اس کی خوشی کی خاطر قاضی منذر جیسے خوبیوں والے آدمی کو معزول کر دیا جائے گا۔ یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی (هذا ما لا يكون) مجھے ان کی باتوں سے چوٹ لگی اس لئے میں نے ان کے پیچھے جمعہ نہ پڑھنے کی قسم کھالی۔ میری خواہش ہے کہ اس قسم کے کفارہ کی کوئی صورت نکل آئے۔ تاہم قاضی منذر ہماری زندگی میں اور اپنی زندگی میں لوگوں کو نماز پڑھاتے رہیں گے (بل يصلي بالناس حياتنا وحياته ان شاء الله تعالیٰ) چنانچہ قاضی منذر بدستور جمعہ کی نماز پڑھاتے رہے۔ عبدالرحمٰن الناصر کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے نے بھی ان کے مقام کو اسی طرح باقی رکھا۔

سلطان عبدالرحمٰن الناصر کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑا۔ بہت سخت حالات پیدا ہو گئے۔ سلطان نے اپنا ایک خاص آدمی قاضی منذر بن سعید کے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ آپ استسقاء کی نماز پڑھائیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بارش برسائے۔ قاضی منذر نے سلطان کے قاصد سے پوچھا کہ سلطان نے میرے پاس دعا کا پیغام بھیجا ہے مگر وہ خود کیا کر رہے ہیں۔ قاصد نے کہا: آج سے زیادہ ہم نے کبھی ان کو اللہ سے ڈرنے والا نہیں پایا۔ ان کا حال یہ ہے کہ وہ حیران و پریشان ہیں۔ تنہائی میں پڑے ہوئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ مٹی کے فرش پر نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہے تھے اور اللہ سے کہہ رہے تھے: خدایا میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے کیا تو میرے گناہوں کی وجہ سے لوگوں کو عذاب دے گا حالاں کہ تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے (هذه ناصيتي بيدك، اتراك تعذب بي الرعية وانت ارحم الراحمين)

یہ سن کر قاضی منذر کے چہرے پر اطمینان ظاہر ہو گیا۔ انھوں نے قاصد سے کہا: اپنے ساتھ بارش لے کر واپس جاؤ۔ اب ضرور بارش ہوگی۔ کیوں کہ زمین کا حاکم جب تضرع کرتا ہے تو آسمان کا حاکم ضرور رحم فرماتا ہے (اذا خشع جبار الارض فقد رحم جبار السماء) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قاصد واپس ہو کر گھر پہنچا تھا کہ بارش شروع ہو گئی۔

کلمۂ شہادت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ آدمی صرف اللہ کو اپنا سب کچھ بنائے گا اور اپنی زندگی میں پوری طرح پیغمبر خدا کی تعلیمات کی پابندی کرے گا۔ اب جو شخص کلمہ پڑھنے کے باوجود اپنی سوچ اور اپنی توجہ کا مرکز خدا کے سوا دوسری چیزوں کو بنائے اور اپنی زبان اور اپنے ہاتھ پاؤں کو رسول کے طریقے کا پابند نہ کرے اس کا کلمہ پڑھنا محض فرضی تھا۔ اس کا کلمہ پڑھنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی شخص زبان سے کہے کہ میں مسجد جا رہا ہوں، حالانکہ عملاً وہ کلب کی طرف جا رہا ہو تاکہ وہاں کلب کے ممبروں کے ساتھ تفریح کرے۔

نماز

نماز آدمی کو اللہ سے ڈرنے والا بناتی ہے۔ نماز اس لئے فرض کی گئی ہے کہ وہ آدمی کو متواضع بنائے اور اس کو بری باتوں سے روکے۔ اب جو شخص نماز پڑھنے کے بعد بھی متکبر بنا رہے اور بری باتوں کو چھوڑنے پر راضی نہ ہو اس نے صرف نماز کی شکل کو لیا اور اس کی روح کو چھوڑ دیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھوکا آدمی برتن چبائے مگر اس کے اندر جو کھانا ہے اس کو منھ میں نہ ڈالے۔

روزہ

روزہ اس بات کا ایک سالانہ سبق ہے کہ آدمی خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچ کر زندگی گزارے۔ ایسی حالت میں جو شخص کھانے پینے کا روزہ رکھے اور حسد اور بغض اور جھوٹ اور بے انصافی کو نہ چھوڑے اس نے روزہ رکھ کر بھی روزہ نہیں رکھا۔ اس نے گویا خدا کی جائز کی ہوئی چیزوں سے روزہ رکھا اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو بدستور کھاتا رہا۔

زکوٰۃ

زکوٰۃ کا مقصد آدمی کے دل کو حرص اور بخل اور تنگ ظرفی سے پاک کرنا ہے اور ایک آدمی کو دوسرے آدمی کا خیر خواہ بناتا ہے۔ زکوٰۃ کا پیغام یہ ہے کہ تم دوسروں سے بے تعلق نہ رہو بلکہ ان کے معاملات میں ان کے مددگار بنو۔ اب اگر زکوٰۃ دینے کے بعد بھی آدمی کے دل سے خود غرضی اور تنگ ظرفی ختم نہ ہو وہ بدستور اپنے بھائی کا بدخواہ بنا رہے تو گویا کہ اس نے زکوٰۃ نہیں دی بلکہ زکوٰۃ کے نام پر محض ایک قسم کا ٹیکس ادا کیا۔

حج

حج خدا کی طرف سفر ہے۔ حج آدمی کو اس دن کی یاد دلاتا ہے جب کہ وہ دنیا سے نکل کر آخرت کی طرف چلا جائے گا۔ اب اگر حج کرنے کے بعد بھی آدمی دنیا میں غرق ہو۔ دنیا کی مصلحتیں، دنیا کے فائدے، دنیا کے تقاضے اس کی دلچسپیوں کا مرکز بنے رہیں تو اس نے حج کے نام پر ایک دنیوی سیاحت کی نہ کہ خدا کی طرف سفر جس کے بعد آدمی ہمہ تن اللہ والا ہو جاتا ہے۔

سب سے بڑی خبر

ایک ایم سی نوجوان دہلی میں سرکاری ملازم ہیں۔ ان سے میری پرانی ملاقات ہے۔ ایک روز میں کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا، رات کو واپس آیا تو گھر والوں نے بتایا کہ آج مذکورہ نوجوان کئی بار آپ سے ملنے کے لئے آچکے ہیں۔ ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ گھنٹی بجی۔ دروازہ کھولا گیا تو مذکورہ نوجوان تیسری بار مجھ سے ملنے کے لئے دروازے پر موجود تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی وہ مسکرا کر بولے "آج میں آپ کو ایک خوش خبری دینے آیا ہوں"۔ اس کے بعد انھوں نے بتایا کہ میرا پروموشن ہو گیا ہے اور اب میری تنخواہ میں سو روپیہ ماہوار کا اضافہ ہو جائے گا۔

میں نے سوچا کہ آدمی کے پاس اگر کوئی اہم خبر ہو تو وہ اس کو چھپانے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اہم خبر کو آدمی بتا کر رہتا ہے۔ بلکہ وہ ڈھونڈتا ہے کہ کوئی ملے تاکہ وہ اس کو بتا سکے۔ کسی نے نئی کار خریدی ہو یا نیا مکان بنایا ہو تو اس کا چرچا کئے بغیر وہ رہ نہیں سکتا۔ کسی مجلس میں اگر اس کی کار یا اس کا مکان موضوع گفتگو نہ ہو تو وہ کسی نہ کسی طرح موضوع کو بدل کر ایسے رخ پر لاتا ہے کہ وہ اپنی نئی کار اور نئے مکان کی خبر لوگوں کو دے سکے۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی اہم خبر کو دوسروں کو سنانے کے لئے بے قرار نہ رہتا ہو۔

آج بے شمار آوازیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر ایک کے پاس کوئی نہ کوئی پیغام ہے جس کو وہ دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ مگر سنانے والوں کی بھیڑ میں کوئی آخرت کی خبر سنانے والا نہیں۔ کوئی جنت اور جہنم سے آگاہ کرنے والا نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بولنے اور لکھنے والوں کے پاس آخرت کی خبر ہی نہیں۔ ہر ایک کے پاس دنیا کی کوئی نہ کوئی خبر ہے۔ آخرت کی خبر کسی کے پاس موجود ہی نہیں۔ اگر کسی کے پاس آخرت کی خبر ہوتی تو وہ اس کو سنائے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ بلکہ آخرت کی غیر معمولی اہمیت کی بنا پر اس کا یہ حال ہوتا کہ اس کے لئے کوئی دوسری خبر خبر نہ ہوتی جس کو سنانے کے لئے وہ لوگوں کے سامنے کھڑا ہو۔ وہ اپنی ساری طاقت اور سارا وقت بس آخرت کی خبر سنانے میں لگا دیتا، جہنم سے ڈرانے اور جنت کی خوش خبری دینے کے سوا کوئی کام اس کو کام نظر نہ آتا۔

اگر یہ معلوم ہو کہ اگلے چند لمحہ کے بعد بھونچال آنے والا ہے یا آتش فشاں پھٹنے والا ہے تو ہر آدمی اسی کا تذکرہ کرنے میں مشغول ہوگا۔ ہر دوسری بات کو بھول کر لوگ آنے والے ہولناک لمحہ پر بات کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ مگر تقریر کرنے والے تقریریں کر رہے ہیں اور مضامین لکھنے والے مضامین لکھ رہے ہیں مگر یہ سب چیزیں قیامت کے تذکرہ سے اس طرح خالی ہوتی ہیں جیسے کہ لوگوں کو آنے والے ہولناک دن کی خبر ہی نہیں۔

آدمی اکثر اپنے گرد و پیش کے مسائل میں الجھا رہتا ہے، ذاتی یا قومی قسم کے معاشی اور سیاسی اور سماجی واقعات جن کا وہ اپنے آس پاس تجربہ کرتا ہے وہ انھیں کو واقعہ سمجھتا ہے اور انھیں کے چرچے میں مشغول رہتا ہے۔ مگر سب سے بڑا مسئلہ قیامت کا مسئلہ ہے۔ قیامت ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے مگر وہ ہونے والے واقعات میں سب سے بڑا واقعہ ہے، وہ تمام واقعات سے زیادہ اس قابل ہے کہ اس کا چرچا کیا جائے۔

یہ وقت کا سوال ہے نہ کہ قیمت کا

آکسفورڈ یونیورسٹی ۱۱۶۳ء میں قائم ہوئی۔ اس کے ہرے ہرے لان ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ ایک امریکن کروڑپتی نے اس کے لان دیکھے تو وہ ان کو بہت پسند آ گئے۔ انھوں نے چاہا کہ ایسا ہی لان ان کی کوٹھی میں بھی ہو۔

"ایسا لان کتنے ڈالر میں تیار ہو جائے گا" انھوں نے آکسفورڈ کے مالی سے پوچھا۔

"مفت میں" مالی نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا

"وہ کیسے"

"اس طرح کہ آپ اپنی زمین کو ہموار کر کے اس پر گھاس جما دیجئے۔ جب گھاس بڑھے تو اس کو کاٹ کر اوپر سے رولر پھیر دیجئے۔ اسی طرح پانچ سو برس تک کرتے رہئے۔ جب پانچ سو سال پورے ہوں گے تو ایسا ہی لان آپ کے یہاں تیار ہو جائے گا۔ یہ وقت کا سوال ہے نہ کہ قیمت کا"

شام کے وقت سورج آپ کے اوپر غروب ہو جائے اور آپ دوبارہ صبح کا منظر دیکھنا چاہیں تو آپ کو پوری رات تک انتظار کرنا ہوگا۔ رات کا وقفہ گزارے بغیر آپ دوبارہ صبح کے ماحول میں آنکھ نہیں کھول سکتے۔ آپ کے پاس ایک بیج ہے اور آپ اس کو درخت کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ ۲۵ سال تک انتظار کریں۔ اس سے پہلے آپ کا بیج ایک سرسبز و شاداب درخت کی صورت میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قدرت کے تمام واقعات کے ظہور کے لئے ایک "وقت" مقرر ہے۔ کوئی واقعہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے ظہور میں نہیں آتا۔

وقت سے مراد وہ مدت ہے جس میں ایک طریق عمل جاری ہو کر اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے۔ قدرت کے پورے نظام میں یہی اصول کارفرما ہے۔ انسان کے سوا بقیہ کائنات میں یہ اصول براہ راست خدائی انتظام کے تحت قائم ہے اور انسان کو اپنے ارادہ کے تحت اس کو اپنی زندگی میں اختیار کرنا ہے۔ کائنات اپنے پورے نظام کے ساتھ انسان کو یہ عملی سبق دے رہی ہے کہ واقعات کے ظہور کے لئے وہ کون سی حقیقی تدبیر ہے جس کو اختیار کر کے آدمی اس دنیا میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

شخصی زندگی کی تعمیر کا معاملہ ہو یا قومی زندگی کی تعمیر کا، دونوں معاملات میں انسان کے لئے واحد صورت یہ ہے کہ وہ "آغاز" سے اپنا سفر جاری کرے اور مطلوبہ مدت سے پہلے نتیجہ دیکھنے کی تمنا نہ کرے۔ ورنہ اس کا انجام اس مسافر کا ہوگا جو ایک دوڑتی ہوئی ٹرین میں بیٹھا ہو اور اسٹیشن کے آنے سے پہلے اسٹیشن پر اترنا چاہے۔ ایسا مسافر اگر وقت سے پہلے اپنے ڈبہ کا دروازہ کھول کر اتر پڑے تو اس کے بعد وہ جہاں پہنچے گا وہ قبر ہوگی نہ کہ اس کی مطلوبہ منزل ——— ہر کامیابی سب سے زیادہ جو چیز مانگتی ہے وہ وقت ہے۔ مگر کامیابی کی یہی وہ قیمت ہے جو آدمی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

ذاتی رنجش سے بلند ہو کر

امریکہ کے سابق وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر کی ایک کتاب چھپی ہے۔ اس کا نام ہے وھائٹ ہاؤس کے سال (The White House Years) اس کتاب میں مصنف نے سابق صدر رچرڈ نکسن کا ۱۹۶۹ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ مسٹر نکسن کے صدر منتخب ہونے سے چند ماہ پہلے ایک انگریز مسٹر جان فری مین نے ان پر سخت تنقید کی تھی۔ انھوں نے عوامی طور پر مسٹر نکسن کے بارے میں کہا تھا: مسٹر نکسن ایک ایسے شخص ہیں جن کا کوئی بھی اصول نہیں سوا اس کے کہ وہ اپنی ذات کی خاطر ہر چیز کو قربان کر دینا چاہتے ہیں۔

He is a man of no principle whatsoever except a willingness to sacrifice everything in the cause of Dick Nixon.

عجیب اتفاق ہے کہ مسٹر نکسن جب امریکہ کے صدر منتخب ہوئے تو اس وقت کے برطانی وزیر اعظم مسٹر ہرولڈ ولسن نے انھیں مسٹر فری مین کو امریکہ میں برطانی سفیر نامزد کیا۔ مسٹر نکسن کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ انھوں نے مسٹر ولسن کو پیغام بھیجا کہ وہ کسی دوسرے شخص کو اپنا سفیر مقرر کریں جو امریکہ کی نئی حکومت کے لئے زیادہ قابل قبول ہو۔ مگر مسٹر ولسن نے اس تجویز کو نہیں مانا۔ اس میں مزید ناگواری اس وقت پیدا ہوئی جب مسٹر نکسن نے صدر امریکہ کی حیثیت سے برطانیہ کا دورہ کیا۔ ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ (برطانوی وزیر اعظم کی سرکاری قیام گاہ) میں مسٹر نکسن کے اعزاز میں ڈنر کا انتظام کیا گیا۔ اس کے شرکاء کی فہرست میں مذکورہ مسٹر فری مین کا نام بھی تھا۔ مسٹر نکسن نے سختی سے چاہا کہ ان کا نام فہرست سے خارج کر دیا جائے۔ مگر ان کی یہ خواہش بھی برطانی وزیر اعظم نے پوری نہ کی۔ یہ بڑا نازک لمحہ تھا۔ ڈنر میں جب مسٹر نکسن جام صحت نوش کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو بالکل خلاف امید انھوں نے سیدھے مسٹر فری مین کی طرف دیکھا اور کہا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں ایک نیا نکسن ہے۔ اور وہ حیران ہیں کہ کیا یہاں ایک نیا فری مین ہے۔ میں یہ پسند کروں گا کہ پچھلی یادوں کو ہم ماضی کے خانہ میں ڈال دیں۔ آخر کار وہ ایک نئے ڈپلومیٹ ہیں اور میں ایک نیا سیاست داں ہوں۔ دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے دونوں اپنی بہترین کوشش کر رہے ہیں۔

Some say there's a new Nixon. And they wonder if there's a new Freeman. I would like to think that that's all behind us. After all, he is the new diplomat and I am the new statesman, trying to do our best for peace in the world.

ڈاکٹر کسنجر لکھتے ہیں کہ فری مین جو عام طور پر ایک مضبوط آدمی سمجھے جاتے ہیں، یہ سن کر تقریباً رو پڑے۔

The usually impurturable Freeman was close to tears,

مسٹر رچرڈ نکسن نے اپنے آپ کو بدل کر مسٹر فری مین کو بھی بدل دیا تھا۔ اس کے بعد فری مین نکسن کے لئے دوسرے فری مین تھے اور نکسن فری مین کے لئے دوسرے نکسن (۸ مئی ۱۹۸۰)

۲۵ پیسے سے

شام کا وقت تھا۔ بارہ سال کا بچہ اپنے گھر میں داخل ہوا، اس کو بھوک لگ رہی تھی۔ وہ اس امید میں تیز تیز چل کر آرہا تھا کہ گھر پہنچ کر کھانا کھاؤں گا اور پیٹ کی آگ بجھاؤں گا۔ مگر جب اس نے اپنی ماں سے کھانا مانگا تو جواب ملا "اس وقت گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے"۔ بچہ کا باپ ایک غریب آدمی تھا۔ وہ محنت کر کے معمولی کمائی کرتا تھا۔ روزانہ کماتا اور روزانہ دکان سے سامان لاکر پیٹ بھرتا یہ اس کی زندگی تھی تاہم ایسا بھی ہوتا کہ کسی دن کوئی کمائی نہ ہوتی اور باپ خالی ہاتھ گھر واپس آتا۔ یہ ان کے لئے فاقہ کا دن ہوتا تھا۔ اس خاندان کی معاشیات کا خلاصہ ایک لفظ میں یہ تھا: "کام مل گیا تو روزی، کام نہیں ملا تو روزہ"

ماں کا جواب سن کر بچہ کو بڑا صدمہ ہوا "مجھے بھوک لگ رہی ہے اور میرے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں"، وہ چپ ہو کر دیر تک سوچتا رہا۔ اس کے بعد بولا "کیا تمہارے پاس ۲۵ پیسے بھی نہیں ہیں" ماں نے بتایا کہ ۲۵ پیسے اس کے پاس موجود ہیں "اچھا تو لاؤ ۲۵ پیسے مجھے دو" بچہ نے کہا۔ اس نے اپنی ماں سے ۲۵ پیسے لئے۔ اس کے بعد ایک بالٹی میں پانی بھرا۔ دو گلاس لئے۔ ۲۵ پیسے کا برف لے کر بالٹی میں ڈالا اور سیدھا سینما ہاؤس پہنچا۔ یہ گرمی کا زمانہ تھا جب کہ ہر آدمی پانی پینے کے لئے بے تاب رہتا ہے۔ وہاں اس نے آواز لگائی "ٹھنڈا پانی"۔ بیچنا شروع کیا۔ اس کا پانی تیزی سے بکنے لگا۔ کئی لوگوں نے بچہ سمجھ کر زیادہ پیسے دئے۔ آخر میں جب وہ خالی بالٹی میں گلاس ڈال کر واپس گھر پہنچا تو اس کے پاس پندرہ روپے ہو چکے تھے۔

اب بچہ روزانہ ایسا ہی کرنے لگا۔ دن کو وہ اسکول میں محنت سے پڑھتا اور شام کو پانی یا اور کوئی چیز بیچ کر کمائی کرتا۔ اسی طرح وہ دس سال تک کرتا رہا، ایک طرف وہ گھر کا ضروری کام چلاتا رہا دوسری طرف اپنی تعلیم کو مکمل کرتا رہا۔ آج یہ حال ہے کہ اس لڑکے نے تعلیم پوری کر کے ملازمت کر لی ہے - اس کو تنخواہ سے ساڑھے سات سو روپے مہینہ مل جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ "شام کا کاروبار" بھی وہ بدستور جاری رکھے ہوئے ہے۔ اپنے چھوٹے سے خاندان کے ساتھ اس کی زندگی بڑی عافیت سے گزر رہی ہے۔ اس کی محنت کی کمائی میں اللہ نے اتنی برکت دی کہ اپنا آبائی ٹوٹا پھوٹا مکان اس نے از سر نو بنوالیا۔ سارے محلہ والے اس کی عزت کرتے ہیں ماں باپ کی دعائیں ہر وقت اس کو مل رہی ہیں۔

مشکل حالات آدمی کے لئے ترقی کا زینہ بن سکتے ہیں، بشرطیکہ مشکل حالات آدمی کو پست ہمت نہ کریں بلکہ اس کے اندر زیادہ عزم پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔ زندگی میں اصل اہمیت ہمیشہ صحیح آغاز کی ہوتی ہے۔ اگر آدمی اتنے پیچھے سے اپنا سفر شروع کرنے پر راضی ہو جائے جہاں سے ہر قدم اٹھانا آگے بڑھنا ہو تو کوئی بھی چیز اس کو کامیابی تک پہنچنے سے روک نہیں سکتی۔ "۲۵ پیسہ" سے سفر شروع کیجئے۔ کیوں کہ "۲۵ پیسے" سے سفر شروع کرنا ہر ایک کے لئے ممکن ہے۔ اور جو سفر "۲۵ پیسے" سے شروع کیا جائے وہ ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔

موت کے کنارے

سکندر اعظم نے بڑی بڑی فتوحات کیں۔ مگر جب آخر وقت آیا تو اس نے کہا: میں دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ مگر موت نے مجھ کو فتح کر لیا۔ افسوس کہ مجھ کو زندگی کا وہ سکون بھی حاصل نہ ہو سکا جو ایک معمولی آدمی کو حاصل ہوتا ہے۔ نپولین بوناپارٹ کے آخری احساسات یہ تھے: مایوسی میرے نزدیک جرم تھی مگر آج مجھ سے زیادہ مایوس انسان دنیا میں کوئی نہیں۔ میں دو چیزوں کا بھوکا تھا۔ ایک حکومت، دوسرے محبت۔ حکومت مجھے ملی مگر وہ میرا ساتھ نہ دے سکی۔ محبت کو میں نے بہت تلاش کیا مگر میں نے اسے کبھی نہیں پایا۔ انسان کی زندگی اگر یہی ہے جو مجھ کو ملی تو یقیناً انسانی زندگی ایک بے معنی چیز ہے۔ کیوں کہ اس کا انجام مایوسی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ ہارون الرشید ایک بہت بڑی سلطنت کا حکمراں تھا۔ مگر آخر عمر میں اس نے کہا: میں نے ساری عمر غلط کرنے کی کوشش کی، پھر بھی میں غلط نہ کر سکا۔ میں نے بے حد غم اور فکر کی زندگی گزاری ہے۔ زندگی کا کوئی دن ایسا نہیں جو میں نے بے فکری کے ساتھ گزارا ہو۔ اب میں موت کے کنارے ہوں۔ جلد ہی قبر میرے جسم کو نگل لے گی۔ یہی ہر انسان کا آخری انجام ہے۔ مگر ہر انسان اپنے انجام سے غافل رہتا ہے۔ خلیفہ منصور عباسی کی موت کا وقت آیا تو اس نے کہا: اگر میں کچھ دن اور زندہ رہتا تو اس حکومت کو آگ لگا دیتا جس نے مجھے بار بار سچائی سے ہٹا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک نیکی اس ساری حکومت سے بہتر ہے۔ مگر یہ بات مجھ کو اس وقت معلوم ہوئی جب موت نے مجھے اپنے چنگل میں لے لیا۔

دنیا کے اکثر کامیاب ترین انسانوں نے اس احساس کے ساتھ جان دی ہے کہ وہ دنیا کے ناکام ترین انسان تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ موت کے قریب پہنچ کر آدمی پر جو کچھ گزرتا ہے اگر وہی اس پر موت سے پہلے گزر جائے تو اس کی زندگی بالکل بدل جائے۔ ہر آدمی جب موت کے کنارے کھڑا ہوتا ہے تو اس کی وہ تمام رونقیں راکھ کے ڈھیر سے بھی زیادہ بے حقیقت معلوم ہوتی ہیں جن میں وہ اس قدر گم تھا کہ کسی اور چیز کے بارے میں سوچنے کی اسے فرصت ہی نہ ملی۔ اس کے پیچھے ایک ایسی دنیا ہوتی ہے جس کو وہ کھو چکا اور آگے ایک ایسی دنیا ہوتی ہے جس کے لئے اس نے کچھ نہیں کیا۔

موت جب سر پر آجائے اس وقت موت کو یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ موت کو یاد کرنے کا وقت اس سے پہلے ہے۔ جب آدمی اس قابل ہوتا ہے کہ وہ دوسروں پر ظلم کرے اور اپنی ظالمانہ کارروائیوں کو عین انصاف کہے۔ اس وقت وہ کچھ سوچنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس وقت وہ اپنی انا کی تسکین کے لئے وہ سب کچھ کر ڈالتا ہے جو اس کو نہیں کرنا چاہئے۔ مگر جب اس کی طاقت ختم ہو جاتی ہے، جب اس کے الفاظ جواب دینے لگتے ہیں، جب اس کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ موت کے بے رحم فرشتہ کے قبضہ میں ہے اس وقت اس کو اپنی غلطیاں یاد آتی ہیں۔ حالاں کہ یاد آنے کا وقت وہ تھا جب کہ وہ غلطیاں کر رہا تھا اور کسی نصیحت کی پروا کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

اسمِ اعظم کیا ھے

ایک بزرگ سے ان کے شاگردوں نے پوچھا کہ اللہ کا اسم اعظم کیا ہے۔ بزرگ نے فرمایا: جب آدمی کا پیٹ غذا سے خالی ہو اور اس کا دل کینہ سے خالی ہو تو وہ اللہ کے ناموں میں سے جس نام سے بھی اپنے رب کو پکارے گا وہی اسم اعظم ہوگا (تذکرۃ الاولیاء) گویا اسم اعظم کا تعلق "اسم" سے نہیں بلکہ کیفیت سے ہے۔ اسم اعظم وہ ہے جو اعلیٰ کیفیات کے ساتھ زبان سے نکلے۔ کیفیات کی عظمت کسی اسم کو اسمِ اعظم بناتی ہے نہ کہ حروف ہجی کی عظمت۔ پیٹ خالی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آدمی مادیات کے غلبہ سے آزاد ہے اور دل میں کینہ نہ ہونا بتاتا ہے کہ آدمی اپنے سینہ میں کسی قسم کی نفسیاتی پیچیدگی لئے ہوئے نہیں ہے۔ جب کوئی آدمی اپنے کو مادی رونقوں سے اور انسانی شکایتوں سے اوپر اٹھالیتا ہے تو وہ خدا کے بہت قریب ہوجاتا ہے۔ اس کو خدا کے خصوصی فیضان میں سے حصہ ملنے لگتا ہے۔ ایسے وقت میں خدا کے صفاتی ناموں میں سے کوئی نام جب اس کی زبان پر آتا ہے تو وہ ربانی کیفیات میں نہایا ہوا ہوتا ہے۔ ان کیفیات کے ساتھ جو بہتر نام آدمی کی زبان سے نکلے وہی اس کے لئے اسم اعظم ہے۔

کچھ لوگ اسلام کے معاملہ کو پاک کلمات کا ایک پراسرار معاملہ سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اسلام کے کچھ خاص عربی الفاظ ہیں جن میں طلسماتی اوصاف چھپے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان پاک الفاظ کو یاد کرلے اور زبان سے ان کو ادا کرے تو ان کی صرف ادائگی سے کراماتی نتائج ظاہر ہونا شروع ہوجائیں گے۔ دنیا میں آل واولاد میں برکت ہوگی اور آخرت میں جنتی محل بننے لگیں گے۔ ان کے نزدیک ان بابرکت کلمات میں سب سے زیادہ اونچا "اسم اعظم" ہے۔ مگر یہ محض بے بنیاد خیال ہے جس کا کوئی ثبوت کتاب وسنت میں موجود نہیں۔ اسم اعظم حقیقۃً حروف کے کسی مجموعہ کا نام نہیں بلکہ کیفیات کے مجموعہ کا نام ہے۔ اللہ کو جب کوئی بندہ اس طرح یاد کرتا ہے کہ وہ ہر دوسری چیز سے اپنا رخ موڑ کر صرف اس کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ وہ اللہ میں اپنے آپ کو اس طرح شامل کرتا ہے کہ انسانوں کے لئے اس کے دل میں خیرخواہی کے سوا کوئی اور جذبہ باقی نہیں رہتا تو اس وقت اس کی زبان سے اللہ کے لئے جو کلمات نکلتے ہیں، اسی کا نام اسم اعظم ہے۔ اسی لئے قرآن میں کہا گیا ہے "کہو کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکاروگے تو اس کے سب نام اچھے ہیں " (بنی اسرائیل) اللہ خالق بھی ہے اور مالک بھی وہ رحیم بھی ہے اور اکبر بھی۔ وہ سب کچھ ہے۔ جس برتر نام سے بھی آدمی اس کو پکارے وہ اس کے لئے جائز ہوگا۔ البتہ پکارنے والے کی زبان سے نکلنے والا ایک لفظ کبھی اس کے لئے "اسم اعظم" بن جاتا ہے۔ یہ پکارنے والے کی کیفیت پر ہوتا ہے۔ اللہ کو اس کی صفتوں میں سے کسی صفت سے پکارنا کبھی سادہ اور عام حالت میں ہوتا ہے اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ خدا کا نام لیتے ہوئے آدمی کی شخصیت پھٹ پڑتی ہے۔ خدا کا نام لینا اس کی روح میں برپا ہونے والے طوفان کی آواز ہوتا ہے۔ اس طرح دل کے بھونچال کے ساتھ خدا کا نام لینا عام حالت میں اس کا نام لینے سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ وہ اس کی زبان سے ادا ہونے والے اسم کو اسم اعظم بنادیتا ہے۔ بندہ جب اللہ کی عظمتوں کے احساس سے سرشار ہو اور اس کی سرشاری زبان پر لفظ کی صورت میں ڈھل جائے تو یہی اللہ کو اسم اعظم کے ساتھ یاد کرنا ہے۔

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں

ابن عساکر نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے۔ انھوں نے کہا: من لم یر ان للہ علیہ نعمۃ الا فی الاکل والشرب فقد قل فہمہ وحضر عذابہ (حلیۃ الاولیاء جلد ۱) جس شخص نے یہ نہ جانا کہ کھانے پینے کے سوا بھی اس کے اوپر اللہ کی نعمتیں ہیں، اس کی سمجھ بہت کم ہے اور عذاب اس کے لئے تیار ہے۔

اللہ سے تعلق روح کی غذا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے (انی ابیت لی مُطعِم یطعمنی وساق یسقینی)

ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو

ابن ابی شیبہ نے ضحاک سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضہ کو ایک خط میں نصیحت کرتے ہوئے لکھا: کونوا من اللہ علی وجل وتعلموا کتاب اللہ فانہ ینابیع العلوم ورسیع القلوب (کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۰۸) اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ کی کتاب کو سیکھو کیوں کہ وہ علوم کی سرچشمہ اور دلوں کے لئے موسم بہار ہے۔

اللہ کی رحمتوں کی کوئی حد نہیں

ابن ماجہ نے محمد بن کعب قرظی کے واسطہ سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

ما کان اللہ لیفتح باب الشکر ویخزن باب المزید وما کان اللہ لیفتح باب الدعاء ویخزن باب الاجابۃ وما کان اللہ لیفتح باب التوبۃ ویخزن باب المغفرۃ (کنز العمال جلد ۲)

اللہ ایسا نہیں کرتا کہ وہ کسی کے اوپر شکر کا دروازہ کھولے اور زیادتی کے دروازہ کو بند کردے۔ اللہ ایسا نہیں کرتا کہ دعا کا دروازہ کھولے اور قبولیت کے دروازہ کو بند کردے۔ اللہ ایسا نہیں کرتا کہ توبہ کے دروازہ کو کھولے اور مغفرت کے دروازہ کو بند کردے۔

اللہ کے سوا کسی کو کوئی اختیار نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمام بن ثعلبہ رضہ کو بھیجا کہ وہ اپنے قبیلہ بنو سعد بن بکر کے لوگوں کو توحید کا پیغام پہنچائیں۔ حضرت ضمام نے آکر اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا اور کہا: بئست اللات والعزی (کیسے برے ہیں لات اور عزی کے بت) لوگوں نے جواب دیا: مہ یا ضمام! اتق البرص اتق الجذام واتق الجنون رکوائے ضمام۔ برص سے ڈرو، جذام سے ڈرو، پاگل پن سے ڈرو۔ لات اور عزی ان کے بزرگوں کے معبود تھے جن کو وہ پوجنے لگے تھے۔ ان کو ڈر ہوا کہ بزرگوں کو برا کہنے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ ضمام بن ثعلبہ پاگل ہو جائیں یا ان کو برص اور جذام جیسی بیماری ہو جائے۔ انھوں نے کہا: ویلکم انہما واللہ لا یضران ولا ینفعان (سیرۃ ابن ہشام) تمہارا برا ہو۔ خدا کی قسم لات اور عزیٰ نہ تو کوئی نقصان کر سکتے اور نہ نفع پہنچا سکتے۔

جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا ہم آپ کی پہرہ داری نہ کریں۔ آپ نے فرمایا: آدمی کی تقدیر اس کی پہرہ داری کرتی ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: وانہ لا یجد طعم الایمان حتی یعلم ان ما اصابہ لم یکن لیخطئہ وما اخطأہ لم یکن لیصیبہ (ابوداؤد) ایمان کی لذت آدمی اس وقت تک نہیں پاتا جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ جو کچھ اس پر گزر رہا ہے وہ اس سے چوکنے والا نہ تھا اور جو کچھ اس پر نہیں گزرا وہ اس پر گزرنے والا نہ تھا۔

ایک معمولی چیز بھی بہت بڑی نعمت ہے

ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے: ما من عبد یشرب الماء القراح فیدخل بغیر اذی ویخرج بغیر اذی الا وجب علیہ الشکر (کنز العمال جلد ۲) ایک بندہ سادہ پانی پیے۔ اور وہ پانی تکلیف کے بغیر اندر داخل ہو جائے اور تکلیف کے بغیر باہر نکل جائے تو اس پر اللہ کا شکر واجب ہے۔

اسلام اس لئے ہے کہ آدمی اس کے ساتھ جیئے

عن حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف ان رجلا اتی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ علّمنی کلمات اعیش بھن ولا تکثر علی فاضیٰ۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تغضب (موطا الامام مالک، کتاب الجامع)

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ اے خدا کے رسول مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جس کے ساتھ میں جیوں اور لمبا نہ کیجئے کہ میں بھول جاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصہ نہ کر

اللہ سے اس حال میں ملو کہ کسی کا بوجھ تم پر نہ ہو

ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے بتایئے کہ علم کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: علم کی باتیں اس سے زیادہ ہیں کہ میں ان کو تمھیں لکھوں۔ مختصر یہ کہ اگر تم سے ہو سکے تو اللہ سے اس طرح ملو کہ تم نے اپنی زبان کو مسلمانوں کی عزت پر حملہ کرنے سے روکا ہو۔ تمھاری پیٹھ ان کے خون سے ہلکی ہو۔ تمھارا پیٹ ان کے مال سے خالی ہو۔ تم نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی جماعت سے باندھ رکھا ہو (کتب رجل الی ابن عمر رضی اللہ عنہ یسألہ عن العلم فاجابہ: ان العلم اکثر من ان اکتب بہ الیک ولکن اذا استطعت ان تلقی اللہ کاف اللسان عن اعراض المسلمین، خفیف الظہر من دمائھم، خمیص البطن من اموالھم، لازما لجماعتھم فافعل)

آدمی غیر معمولی حالات میں پہچانا جاتا ہے

لا یعرف الحلم الا ساعۃ الغضب۔ حلم و بردباری کی پہچان صرف اس وقت ہوتی ہے جب کہ آدمی غصہ کی حالت میں ہو (ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، جزء ثانی، صفحہ ۱۵۵)

یہ قیادت ہے، خدمت نہیں

کسی کو ناحق ستانا، کسی کو بلا وجہ بے عزت کرنا اس زمین پر سب سے بڑا ناقابل معافی جرم ہے۔ جو لوگ ایسا جرم کریں وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ ایسے جرم کی سزا ان کو اس دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے سخت عذاب ہے، خواہ وہ بزعم خود اپنے کو کتنا ہی بڑا مسلمان سمجھتے ہوں۔ کتنی سنگین ہے یہ صورت حال۔ اس کے باوجود آدمی دوسرے کو ناحق ستاتا ہے، وہ بلا وجہ دوسرے کو بے عزت کرتا ہے۔ حتی کہ وہ لوگ بھی براہ راست یا بالواسطہ طور پر اس جرم میں شریک رہتے ہیں جو اسی نام پر اپنی قیادت قائم کئے ہوئے ہیں کہ وہ خدا کی زمین کو ظلم و فساد سے پاک کرنے کے لئے اٹھے ہیں۔ شاید لوگوں کو معلوم نہیں کہ "عدل" کے الفاظ بولنا اور "ظلم" پر عمل کرنا اللہ کی نظر میں آدمی کے جرم کو بڑھاتا ہے، وہ کسی بھی درجہ میں اس کے جرم کو کم نہیں کرتا۔ کوئی آدمی عادل ہے یا ظالم، اس کا فیصلہ آدمی کے حقیقی عمل کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ کہ بولے اور لکھے ہوئے الفاظ کی بنیاد پر۔ مزید یہ کہ ظالم صرف وہ نہیں ہے جس نے اپنے ہاتھوں سے ظلم کیا۔ بلکہ وہ لوگ بھی یکساں طور پر ظالم ہیں جنھوں نے ظالم کو شہ دی ہو۔ جنھوں نے قدرت کے باوجود ظالم کا ہاتھ نہ پکڑا ہو، جو ظالم کے ظلم کو دیکھنے اور جاننے کے باوجود اس پر راضی رہے ہوں۔ اللہ کے یہاں یہ سارے لوگ ایک ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ آخرت میں ان میں سے ایک کا جو انجام ہوگا وہی انجام ان میں سے دوسرے کا بھی ہوگا

"بہت سے شاعر اپنے اشعار میں انسان دوست ہوتے ہیں، مگر ان کو زید، عمر، بکر سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی" یہ بات جوادی ناقد نے شاعروں کے بارے میں کہی ہے، وہی ہمارے قائدین کے بارے میں صد فی صد درست ہے۔ ہمارا ہر قائد ملت کی ہمدردی کی باتیں کرتا ہے۔ وہ ملت کے مسائل پر تقریریں کرتا ہے اور بیان دیتا ہے۔ کہیں فساد ہو جائے تو فوراً ہوائی جہاز سے اڑ کر وہاں حالات کا جائزہ لینے کے لئے جاتا ہے۔ ملی مسائل کے بارے میں حکومت کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں کرتا ہے اور بڑے بڑے اجتماعات میں ان کی بابت تجویزیں پاس کرتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ جس ملت کے بارے میں ہوتا ہے، اسی ملت کا ایک فرد اگر اس سے ہمدردی اور انصاف کی مانگ کرے تو اس کو سخت ناپسندیدگی ہوتی ہے۔ وہ "ملت" پر قربان ہونے کے لئے تیار ہے مگر "فرد" کو اس کا حق دینے کے لئے تیار نہیں۔ جمشید پور کے فساد کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ ایک لیڈر اپنے مکان سے باہر نکلا تو اس کے محلہ کا ایک آدمی اس کے سامنے آگیا۔ اس آدمی کو لیڈر کے کارندے نے پریشان کر رکھا تھا۔ آدمی نے اس کی شکایت کی اور صورت حال بتائی۔ مگر لیڈر نے پوری بات سننے کی زحمت نہیں کی۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا "مجھے اس وقت کی فلائٹ سے جمشید پور جانا ہے" لیڈر ہوائی جہاز کے ذریعہ جمشید پور پہنچا۔ اگلے دن "بذریعہ ٹیلیفون" موصول شدہ خبر اس کے اپنے اخبار میں چھپی کہ لیڈر محترم نے جمشید پور کا دورہ کیا اور وہاں اقلیتی فرقہ کے ساتھ جو بربریت کی گئی ہے اس کے سلسلے میں حکام سے ملاقاتیں کیں" ——— یہی ہمارے تمام لیڈروں کا حال ہے۔ ملت پر فدا ہونے کے لئے ہر شخص بے قرار ہے مگر فرد ملت پر فدا ہونے کی فرصت کسی کو نہیں۔ "اڑنے" کی سطح پر ہر آدمی مظلوموں کا ہمدرد ہے مگر "کرنے" کی سطح پر کوئی مظلوموں کا ہمدرد نہیں۔ (۸ اپریل ۱۹۸۰)

علمی جہاد — انفاق فی سبیل اللہ کا بہترین مصرف

اسلام کا مطلب اپنے جان اور مال کو اللہ کے حوالے کرنا ہے۔ یہ حوالگی مکمل معنوں میں ہے۔ تاہم ایک خاص حد تک اس کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اسی قسم کا ایک حکم ہے جو یاد دلاتا ہے کہ آدمی کے مال میں خدا اور اس کے دین کا بھی حق ہے۔

قرآن میں زکوٰۃ کے جو مصارف بتائے گئے ہیں ان میں سے ایک فی سبیل اللہ (توبہ ۶۰) ہے۔ یعنی اللہ کے راستہ میں دینا۔ اس سلسلے میں فی سبیل اللہ کا مفہوم متعین کرنے کے لئے بہت سی علمی و فقہی بحثیں کی گئی ہیں۔ شیخ یوسف القرضاوی (قطر) نے اس موضوع پر اپنی تحقیقی کتاب "فقہ الزکوٰۃ" میں مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے اور آخر میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد صرف قتال نہیں ہے، نہ شخصی تملیک اس کے لئے ضروری ہے، بلکہ عمومی نوعیت کا تربیتی اور علمی جہاد بھی اس میں داخل ہے۔ اور شاید آج مسلمان اس کے سب سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔" ذیل میں شیخ یوسف القرضاوی کی بحث کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے۔ شیخ موصوف لکھتے ہیں:

"موجودہ حالات میں فی سبیل اللہ سے جو اولین اور اہم ترین چیز مراد لی جائے گی وہ ہے صحیح اسلامی زندگی کے احیاء کا وہ پروگرام جو اسلام کے جملہ احکام، عقائد، تصورات، شعائر، شرعی قوانین اور اخلاق و آداب کو بروئے کار لانے کے لئے ہو۔

یہ کام اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اسلام کے غیرت مندوں کو اپنی زکوٰۃ کا مال اور اپنی اعانتیں اس پر صرف کرنی چاہئیں۔

ہماری رائے یہ ہے کہ بحالات موجودہ زکوٰۃ کے اس مصرف کو ثقافتی، تربیتی اور علمی جہاد کے لئے استعمال کرنا بہتر ہوگا۔ بشرطیکہ وہ خالص اور صحیح اسلامی جہاد ہو۔

عصر حاضر میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لئے جن سرگرمیوں کی ضرورت ہے۔ اس کی چند مثالیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا شمار بجا طور پر فی سبیل اللہ میں کیا جا سکتا ہے۔

صحیح اسلام کو پیش کرنے کے لئے دعوتی مراکز قائم کرنا جن کے ذریعہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ادیان و مذاہب کی کش مکش کے درمیان غیر مسلمین تک اسلام کا پیغام پہنچایا

سورہ توبہ (آیت ۶۰) میں صدقات کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں جن میں سے پہلے چار مصارف (فقراء، مساکین، عاملین، مولفۃ القلوب) کے لئے حرف لام استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ کہا گیا کہ صدقات "ان کے لئے" ہیں۔ مگر بعد کے چار مصارف (غلام، قرضدار، سبیل اللہ، مسافر) کے لئے حرف فی استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہا گیا کہ صدقات ان کی مد میں صرف کرنے کے لئے ہیں۔ پہلے چار مستحقین کے لئے لام ہے جو تملیک کا معنی دیتا ہے۔ بقیہ چار مستحقین کے لئے فی ہے جو عربی زبان میں ظرفیت کے لئے آتا ہے ——— حکم کے الفاظ میں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلی چار اصناف کو زکوٰۃ اس طور پر ملتی ہے کہ وہ اس کی مالک ہو جاتی ہیں جب کہ بقیہ چار اصناف کی حیثیت چار مدات کی ہے (فقہ الزکوٰۃ از شیخ یوسف القرضاوی، قطر)

جاسکے یقیناً جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اسلامی ممالک کے اندر ایسے اسلامی مراکز قائم کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہے جو مسلم نوجوانوں کی صحیح تربیت کریں۔ اسلام کے اعتدال پسندانہ نقطۂ نظر کے مطابق ان کی رہنمائی کریں، الحاد، فکری انحراف اور عملی بے راہ روی سے انھیں بچائیں اور انھیں اسلام کی حمایت و نصرت اور اس کے دشمنوں سے نبرد آزمائی کے لئے تیار کریں۔

اسی طرح خالص اسلامی پرچہ کا اجراء جو گمراہ صحافت کے درمیان اللہ کا کلمہ بلند کرنے حق بات کا اظہار کرنے، اسلام پر عائد کئے جانے والے جھوٹے الزامات کی تردید کرنے، شبہات کا ازالہ کرنے، اور اسلام کو ہر قسم کی حاشیہ آرائی اور شائبوں سے پاک کرکے صحیح شکل میں پیش کرنے کی خدمت انجام دے ——— بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ ہے

ایسی دینی کتاب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت جو بنیادی اہمیت کی حامل ہو اور جو اسلام کو یا اس کے کسی پہلو کو اس خوبی کے ساتھ پیش کرے کہ اس کے پوشیدہ جواہر پرے پردہ اٹھ جائے۔ اس کی تعلیمات کی خوبیاں نمایاں ہوں اور اس کے حقائق بے نقاب ہوں جہاد فی سبیل اللہ کے مترادف ہے۔

پختہ کار، امانت دار اور مخلص افراد کو فارغ کرنا تاکہ وہ دین کی خدمت کریں، اس کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلائیں، اس کے دشمنوں کی چالوں کو بے اثر کرکے رکھ دیں۔ فرزندان اسلام میں بیداری پیدا کریں اور عیسائی مشن، الحاد اور باطنیت کے طوفان کا مقابلہ کریں من جملہ جہاد فی سبیل اللہ کے ہے اور دین حق کے داعیوں کی معاونت کرنا جو پر خار راہ سے اسلام دشمن طاقتیں داخلی عناصر۔ مرتد اور سرکش افراد۔ کی مدد سے مسلط ہوجاتی ہیں اور انھیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دینے لگتی ہیں۔ ان کی معاونت کرنا تاکہ وہ کفر اور سرکشی کے مقابلہ میں ثابت قدم رہیں سراسر جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ زکوٰۃ کے صَرف میں ایسے کاموں کو اولین اہمیت دیں کیوں کہ اسلام کے مددگار اللہ کے بعد فرزندان اسلام ہی ہیں اور خاص طور سے ایسے دور میں جب کہ اسلام غربت سے دوچار ہے۔

فقہ الزکوٰۃ، ترجمہ از مولانا شمس پیرزادہ۔ بمبئی

اسلامی مرکز

ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے

اس کا مقصد تعمیر ملت اور

احیاء اسلام کے لئے

جدوجہد کرنا ہے

ماہنامہ الرسالہ اور مکتبہ الرسالہ

اسی مرکز کے تحت قائم ہیں

اس دینی و ملی مہم میں

ہر طرح تعاون کرنا

وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے

اے ایمان والو، ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے نازل کی۔ اور جو شخص انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا تو وہ بہک کر دور جا پڑا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر انکار کیا، پھر ایمان لائے پھر انکار کیا، پھر انکار میں بڑھتے گئے تو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ان کو راہ دکھائے گا۔ منافقوں کو خوش خبری دے دو کہ ان کے لئے ایک دردناک عذاب ہے۔ وہ لوگ جو مومنوں کو چھوڑ کر منکروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت کی تلاش کر رہے ہیں، تو عزت ساری اللہ کے لئے ہے ۱۳۶-۱۳۹

"ایمان والو ایمان لاؤ" ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ مسلمانو مسلمان بنو۔ اپنے کو مسلمان کہنا یا مسلمان سمجھنا اس بات کے لئے کافی نہیں کہ آدمی اللہ کے یہاں بھی مسلمان قرار پائے۔ اللہ کے یہاں صرف وہ شخص مسلمان قرار پائے گا جو اللہ کو اس طرح پائے کہ وہی اس کے یقین و اعتماد کا مرکز بن جائے۔ جو رسول کو اس طرح مانے کہ ہر دوسری رہنمائی اس کے لئے بے حقیقت ہو جائے۔ جو آسمانی کتاب کو اس طرح اپنائے کہ اس کی سوچ اور جذبات بالکل اس کے تابع ہو جائیں۔ جو فرشتوں کے عقیدہ کو اس طرح اپنے دل میں بٹھائے کہ اس کو محسوس ہونے لگے کہ اس کے دائیں بائیں ہر وقت خدا کے چوکیدار کھڑے ہوئے ہیں۔ جو آخرت کا اس طرح اقرار کرے کہ وہ اپنے ہر قول و فعل کو آخرت کی میزان پر جانچنے لگے۔ جو شخص اس طرح مومن بنے وہی اللہ کے نزدیک اس راستہ پر ہے جو ہدایت اور کامیابی کا راستہ ہے۔ اور جو شخص اس طرح مومن نہ بنے وہ ایک بھٹکا ہوا انسان ہے، خواہ وہ اپنے نزدیک خود کو کتنا ہی مومن و مسلم سمجھتا ہو۔

ماننے اور نہ ماننے کا یہ معرکہ آدمی کی زندگی میں ہر وقت جاری رہتا ہے۔ جب بھی کوئی معاملہ پڑتا ہے تو آدمی کا ذہن دو میں سے کسی ایک رخ پر چل پڑتا ہے۔ یا خواہشات کی طرف یا حق کے تقاضے پورے کرنے کی طرف۔ اگر ایسا ہو کہ معاملہ کے وقت آدمی کی سوچ اور جذبات خواہش کی سمت میں چل پڑیں تو گویا ایمان لانے والے نے ایمان سے انکار کیا۔ اس کے برعکس اگر وہ اپنی سوچ اور جذبات کو حق کا پابند بنائے تو گویا ایمان لانے والا ایمان لے آیا۔ آدمی مسلمان بن کر دنیا کی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک حق بات اس کے سامنے آتی ہے۔ اب ایک شخص وہ ہے جو ایسے موقع پر تواضع کا رویہ اختیار کرے اور حق کا اعتراف کرے۔ دوسرا شخص وہ ہے جس کے اندر کبر کی نفسیات جاگ اٹھیں اور وہ اس کو ٹھکرا دے۔ پہلی صورت ایمان کی صورت ہے اور دوسری صورت ایمان کا انکار کرنے کی۔ جو شخص سچا مومن نہ ہو وہ دنیا کی عزت و جاہ کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے وہ ان لوگوں کی طرف جھک پڑتا ہے جن سے منسوب ہو کر اس کی عزت و جاہ میں اضافہ ہو، خواہ وہ اہل باطل ہوں۔ اس کو ان لوگوں سے دلچسپی نہیں ہوتی جن سے منسوب ہونا اس کی عزت و جاہ میں اضافہ نہ کرے، خواہ وہ اہل حق ہوں۔

اور اللہ کتاب میں تم پر یہ حکم اتار چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق کیا جا رہا ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ ورنہ تم بھی انھیں جیسے ہو گئے۔ اللہ منافقوں کو اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ اکٹھا کرنے والا ہے۔ وہ منافق تمھارے لئے انتظار میں رہتے ہیں۔ اگر تم کو اللہ کی طرف سے کوئی فتح حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے۔ اور اگر منکروں کو کوئی حصہ مل جائے تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمھارے خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے اور پھر بھی ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچایا۔ تو اللہ ہی تم لوگوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا اور اللہ ہرگز کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہیں دے گا ۱۴۱—۱۴۰

اللہ کی پکار جب بھی کسی انسانی گروہ میں اٹھتی ہے تو اتنی مضبوط بنیادوں پر اٹھتی ہے کہ دلیل کے ذریعہ اس کی کاٹ کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ اس لئے کہ جو لوگ اس کو ماننا نہیں چاہتے وہ اس کا مذاق اڑا کر اس کو بے وزن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ ایسا کریں وہ اپنے اس رویہ سے یہ بتا رہے ہیں کہ وہ حق کے معاملہ کو کوئی سنجیدہ معاملہ نہیں سمجھتے اور جب آدمی کسی معاملہ میں سنجیدہ نہ ہو تو اس وقت اس سے بحث کرنا بالکل بے کار ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی چپ ہو جائے اور اس وقت کا انتظار کرے جب کہ گفتگو کا موضوع بدل جائے اور مخاطب اس قابل ہو جائے کہ وہ بات کو سن سکے۔ جس مجلس میں خدا کی دعوت کا مذاق اڑایا جائے وہاں بیٹھنا یہ ثابت کرتا ہے کہ آدمی حق کے معاملہ میں غیرت مند نہیں۔

منافق اس کی پروا نہیں کرتا کہ اصول پسندی کا تقاضا کیا ہے بلکہ جس چیز میں فائدہ نظر آئے اس طرف جھک جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس حلقہ کے ساتھ جوڑتا ہے جس کا ساتھ دینے میں اس کے دنیوی حوصلے پورے ہوتے ہوں، خواہ وہ اہل ایمان کا حلقہ ہو یا غیر اہل ایمان کا۔ وہ جس مجلس میں جاتا ہے اس کو خوش کرنے والی باتیں کرتا ہے۔ مصلحتوں کی بنا پر کبھی اس کو سچے اہل ایمان کے ساتھ جڑنا پڑے تب بھی وہ دل سے ان کا خیر خواہ نہیں ہوتا۔ کیوں کہ سچے اہل ایمان کا وجود کسی معاشرہ میں حق کا پیمانہ بن جاتا ہے۔ اس لئے جو لوگ جھوٹی دین داری پر کھڑے ہوئے ہوں وہ چاہتے ہیں کہ ایسے پیمانے ٹوٹ جائیں جو ان کی دین داری کو مشتبہ ثابت کرنے والے ہیں۔ مگر اہل ایمان کے بدخواہ جو کچھ زور دکھا سکتے ہیں اسی دنیا میں دکھا سکتے ہیں۔ آخرت میں وہ ان کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔

منافق تو وہ ہے جو ظاہر میں دین دار نظر آئے مگر اندر سے بے دین ہو۔ ایسے شخص کا انجام کافر کے ساتھ ہونا بتاتا ہے کہ اللہ کے نزدیک ظاہری دین داری اور کھلی ہوئی بے دینی میں کوئی فرق نہیں۔ کیوں کہ ظاہر کی سطح پر خواہ دونوں مختلف نظر آئیں مگر اللہ کی سطح پر دونوں ایک ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے یہاں اعتبار باطن کا ہے نہ کہ ظاہر کا۔

منافقین اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں۔ حالاں کہ اللہ ہی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں محض لوگوں کو دکھانے کے لئے۔ اور وہ اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ وہ دونوں کے بیچ لٹک رہے ہیں، نہ اِدھر ہیں اور نہ اُدھر۔ اور جس کو اللہ بھٹکا دے تم اس کے لئے کوئی راہ نہیں پا سکتے۔ اے ایمان والو، مومنوں کو چھوڑ کر منکروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی کھلی حجت قائم کرلو۔ بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے اور تم ان کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ البتہ جو لوگ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کرلیں تو یہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ ایمان والوں کو بڑا ثواب دے گا۔ اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لاؤ۔ اللہ بڑا قدرداں ہے سب کچھ جاننے والا ہے　۱۴۷-۱۴۲

جو لوگ اپنے کو اللہ کے حوالے کئے ہوئے نہ ہوں وہ اپنے کو اپنے دنیوی مفاد کے حوالے کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ دنیوی مفاد جس سے وابستہ ہو وہ اسی کے ساتھ ہو جاتے ہیں خواہ وہ دین دار ہو یا بے دین۔ ایسے لوگ زبان سے اسلام کے الفاظ بولتے ہیں اور بعض اسلامی اعمال بھی ظاہری حد تک اداکرتے رہتے ہیں۔ مگر ان کا عمل اللہ کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ لوگوں کی نظر میں مسلمان بنے رہنے کے لئے ہوتا ہے۔ ان کا اصلی دین موقع پرستی ہوتا ہے مگر لوگوں کے سامنے وہ اپنے کو خدا پرست ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ گویا خدا کو دھوکا دے رہے ہیں۔ وہ خدا والے نہ ہو کر اپنے کو خدا والا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اسلام کو سچا دین جانتے ہیں، اس کے باوجود اپنے مفادات کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اس کی وجہ سے وہ دونوں کے درمیان معلق رہتے ہیں، نہ پوری طرح اپنے عقیدہ کے لئے یکسو ہوتے اور نہ پوری طرح اپنے مفادات کے۔ ایسے لوگ اللہ کی مدد سے محروم رہتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ کی مدد کا مستحق بننے کے لئے اللہ کے راستہ پر جمنا ضروری ہے۔ اور یہی چیز ان کے یہاں موجود نہیں ہوتی ــــــ حق کو ماننے والے اور حق کا انکار کرنے والے جب الگ الگ ہو چکے ہوں تو ایسی حالت میں حق کا انکار کرنے والوں کا ساتھ دینا اپنے خلاف خدا کی کھلی حجت قائم کرنا ہے۔ یہ کسی کے قابلِ سزا ہونے کا ایسا ثبوت ہے جس کے بعد کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں۔

اس قسم کے لوگ اپنے دکھاوے کے اعمال کی بنا پر خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ اسلام کی ظاہری نمائش کے باوجود حقیقت کے اعتبار سے وہ اسلام سے دور تھے۔ اس لئے ان کا انجام ان کی حقیقت کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ ان کے ظاہر کے اعتبار سے۔ تاہم کسی کی گمراہی کی وجہ سے خدا اس کا دشمن نہیں ہو جاتا۔ اس قسم کے لوگ اگر اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں، وہ اپنی زندگی کو بدل لیں، اپنی توجہات کو دنیا سے ہٹا کر اللہ کی طرف لگائیں اور یکسو ہو کر دین کے راستہ پر چلنے لگیں تو یقیناً اللہ انھیں معاف کردے گا۔

اللہ بدگوئی کو پسند نہیں کرتا مگر یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اگر تم بھلائی کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا کسی برائی سے درگزر کرو تو اللہ معاف کرنے والا قدرت رکھنے والا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں ایک راہ نکالیں۔ ایسے لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کو جدا نہ کیا ان کو اللہ ان کا اجر دے گا اور اللہ غفور و رحیم ہے ۱۴۸ ـ ۵۲

کسی شخص کے اندر کوئی دینی یا دنیوی عیب معلوم ہو تو اس کو شہرت دینا اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ نصیحت کا حق ہر ایک کو ہے۔ مگر نصیحت یا تو کسی کا نام لئے بغیر عمومی انداز میں کی جانی چاہئے یا متعلقہ شخص سے مل کر تنہائی میں۔ اللہ صبح و شام لوگوں کے جرائم کو نظر انداز کرتا رہتا ہے۔ بندوں کو بھی اپنے اندر یہی اخلاق پیدا کرنا ہے البتہ اگر ایک شخص مظلوم ہو تو اس کے لئے رخصت ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کو لوگوں کے سامنے بیان کرے۔ تاہم مظلوم اگر صبر کرے اور ظلم کرنے والے کو معاف کر دے تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ کیوں کہ اس طرح وہ ثابت کرتا ہے کہ اس کو دنیا کے نقصان سے زیادہ آخرت کے نقصان کی فکر ہے۔ جو شخص کسی بڑے غم میں مبتلا ہو اس کے لئے چھوٹے غم بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔ یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے جس کے دل میں آنے والے ہولناک دن کا غم سمایا ہوا ہو۔

مکہ کے لوگ حضرت ابراہیمؑ کی نبوت کو مانتے تھے۔ اسی طرح یہودی حضرت موسیٰ کی نبوت کو تسلیم کرتے تھے اور مسیحی حضرت عیسیٰ کی نبوت کو۔ مگر ان سب نے پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ان میں سے ہر ایک ماضی کے پیغمبر کو ماننے کے لئے تیار تھا مگر ان میں سے کوئی وقت کے پیغمبر کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ حالاں کہ جن نبیوں کو وہ مان رہے تھے وہ بھی اپنے زمانہ میں اسی قسم کے مخالفانہ ردعمل سے دوچار ہوئے تھے جس سے پیغمبر عربی کو دوچار ہونا پڑا —— اس قسم کی ہر کوشش حق پرستی اور نفس پرستی کے درمیان راستہ نکالنے کے لئے ہوتی ہے تاکہ خواہشات کا ڈھانچہ بھی ٹوٹنے نہ پائے اور آدمی خدا کی جنت تک پہنچ جائے۔

اصل یہ ہے کہ ماضی کی نبوت ایک مانی ہوئی نبوت ہوتی ہے جب کہ وقت کے پیغمبر کو ماننے کے لئے آدمی کو نیا ذہنی سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ ماضی کی نبوت زمانہ گزرنے کے بعد ایک تسلیم شدہ نبوت بن جاتی ہے۔ وہ پیدائشی طور پر آدمی کے ذہن کا جزء بن چکی ہوتی ہے۔ مگر زمانہ کا پیغمبر ایک متنازعہ شخصیت ہوتا ہے، وہ دیکھنے والوں کو محض "ایک انسان" دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے اس کو ماننے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ آدمی ایک نیا ذہنی سفر کرے۔ وہ خدا کو دوبارہ شعور کی سطح پر پائے۔ ماضی کے پیغمبر کو ماننا تقلیدی ایمان کے تحت ہوتا ہے اور وقت کے پیغمبر کو ماننا ارادی ایمان کے تحت۔ مگر اللہ کے یہاں قیمت ارادی ایمان کی ہے نہ تقلیدی ایمان کی۔

اہل کتاب تم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تم ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار لاؤ۔ پس موسیٰ سے وہ اس سے بھی بڑی چیز کا مطالبہ کر چکے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کو بالکل سامنے دکھا دو۔ پس ان کی اس زیادتی کے باعث ان پر بجلی آپڑی۔ پھر کھلی نشانی آچکنے کے بعد انھوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔ پھر ہم نے اس سے درگزر کیا۔ اور موسیٰ کو ہم نے کھلی حجت عطا کی۔ اور ہم نے ان کے اوپر کوہ طور کو اٹھایا ان سے عہد لینے کے واسطے۔ اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازے میں داخل ہو سر جھکائے ہوئے اور ان سے کہا کہ سبت کے معاملہ میں زیادتی نہ کرنا۔ اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا ۱۵۳-۵۴

خدا کا پیغمبر انسانوں میں سے ایک انسان ہوتا ہے۔ وہ عام آدمی کی صورت میں لوگوں کے سامنے آتا ہے۔ اس لئے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایک عام آدمی کو کس طرح خدا کا نمائندہ مان لیں۔ وہ کیسے یقین کرلیں کہ سامنے کا آدمی ایک ایسا شخص ہے جو خدا کی طرف سے بولنے کے لئے مقرر ہوا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ جو کلام تم پیش کر رہے ہو اس کو آسمان سے آتا ہوا دکھاؤ یا خدا خود تمھاری تصدیق کے لئے آسمان سے اتر پڑے تب ہم تمھاری بات مانیں گے۔ مگر اس قسم کا مطالبہ حد درجہ غیر سنجیدہ مطالبہ ہے۔ کیونکہ انسان کا امتحان تو یہ ہے کہ وہ دیکھے بغیر مانے، وہ حقیقتوں کو ان کی معنوی صورت میں پا لے۔ ایسی حالت میں دکھا کر منوانے کا کیا فائدہ۔ نیز یہ کہ اگر کچھ دیر کے لئے عالم کے نظام کو بدل دیا جائے اور آدمی کو اس کے مطالبہ کے مطابق چیزوں کو دکھا دیا جائے تب بھی وہ بے فائدہ ہوگا۔ کیوں کہ یہ دکھانا بہرحال وقتی ہوگا نہ کہ مستقل۔ اور انسان کی آزادی جو اس کو سرکشی کی طرف لے جاتی ہے اس کے بعد بھی باقی رہے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دیکھنے کے وقت تک وہ سہم کر مان لے گا اور اس کے بعد دوبارہ اپنی آزادی کا غلط استعمال شروع کر دے گا جیسا کہ دیکھنے سے پہلے کر رہا تھا۔ یہود کی مثال اس کی تاریخی تصدیق کرتی ہے۔

کوہ طور کے دامن میں غیر معمولی حالات پیدا کر کے یہود سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ اپنے عبادت خانہ (باب) میں تواضع کے ساتھ داخل ہوں اور خشوع کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔ اور یہ کہ معاش کے حصول کے لئے جو جد و جہد کریں وہ اللہ کے حدود میں رہ کر کریں نہ کہ اس سے آزاد ہو کر۔ مگر یہود نے اس قسم کے تمام عہدوں کو توڑ دیا۔

"موسیٰ کو ہم نے سلطان مبین (کھلی حجت) دی" اللہ کا یہ معاملہ ہر پیغمبر کے ساتھ ہوتا ہے۔ پیغمبر اگرچہ ایک عام انسان کی طرح ہوتا ہے مگر اس کے کلام اور اس کے احوال میں ایسے کھلے ہوئے دلائل موجود ہوتے ہیں جو اس کی خدائی حیثیت کو قطعیت کے ساتھ ثابت کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر ظالم انسان ہر خدائی نشانی کی ایک ایسی توجیہہ ڈھونڈ لیتا ہے جس کے بعد وہ اس کو رد کر کے اپنی سرکشی کی زندگی کو بدستور جاری رکھے۔

ان کو جو سزا ملی وہ اس پر کہ انھوں نے اپنے عہد کو توڑا اور اس پر کہ انھوں نے اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس پر کہ انھوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل تو بند ہیں ——— بلکہ اللہ نے ان کے انکار کے سبب سے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے تو وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کے انکار پر اور مریم پر بڑا طوفان باندھنے پر اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح بن مریم، اللہ کے رسول کو قتل کر دیا ——— حالاں کہ انھوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی دی بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔ اور جو لوگ اس میں اختلاف کر رہے ہیں وہ اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو اس کا کوئی علم نہیں، وہ صرف اٹکل پر چل رہے ہیں۔ اور بے شک انھوں نے اس کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے ۵۸-۱۵۵

یہود پر آسمانی ہدایت اتاری گئی تھی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ دنیا میں اللہ کی مرضی پر چلیں تو آخرت میں اللہ ان کو جنت دے گا۔ انھوں نے پہلے حصہ کو بھلا دیا البتہ دوسرے حصہ کو اپنا پیدائشی حق سمجھ لیا۔ یہود ہر قسم کے بگاڑ میں مبتلا ہوئے۔ اس کے باوجود اپنے نجات یافتہ ہونے کے بارے میں ان کا یقین اتنا بڑھا ہوا تھا کہ انھوں نے سمجھ لیا کہ اب ان کو نئے نبی کو ماننے کی ضرورت نہیں۔ وہ بطور طنز کہتے "ہمارے دل تو بند ہیں" ان کا یہ جملہ رسول کو ماننے کے بارے میں اپنی عدم صلاحیت کا اظہار نہ تھا بلکہ اس اطمینان کا اظہار تھا کہ وہ رسول کے ساتھ خواہ جو بھی سلوک کریں ان کی نجات کسی حال میں مشتبہ ہونے والی نہیں۔

جو لوگ اس قسم کے جھوٹے یقین میں مبتلا ہوں وہ ہر قسم کے جرم پر جری ہو جاتے ہیں۔ خدا پر ایمان ان کو جس عہد خداوندی میں باندھتا ہے اس کو توڑنا ان کے لئے کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ اللہ کی طرف سے ظاہر ہونے والے کھلے دلائل کے باوجود وہ اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ حق کی طرف بلانے والے جو ان کی غیر خدا پرستانہ روش کو بے نقاب کرتے ہیں ان کے خلاف جارحانہ اقدام کرنے سے وہ نہیں جھجکتے۔ حتی کہ جھوٹی تہمت لگا کر داعی کو بے عزت کرنے سے بھی انھیں کوئی چیز نہیں روکتی۔ یہود نے حضرت مسیح کے خلاف قتل کا اقدام کیا اور اس کے بعد فخریہ کہا کہ "مریم کا بیٹا مسیح جو اپنے کو رسول کہتا تھا اس کو ہم نے مار ڈالا" مگر اس قسم کے لوگ اللہ کے داعیوں کے خلاف جو بھی سازش کریں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اللہ کی طاقت اور اس کا حکیمانہ نظام ہمیشہ حق کے داعیوں کی پشت پر ہوتا ہے۔ ہر سازش اور ہر مخالفت کے باوجود وہ اس وقت تک اپنا کام جاری رکھنے کی توفیق پاتے ہیں جب کہ وہ اپنے حصہ کا کام مکمل کر لیں۔

جو لوگ حق کے مقابلہ میں سرکشی کا رویہ اختیار کریں اللہ ان سے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت چھین لیتا ہے۔ وہ اپنی مخالفانہ سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہیں یہاں تک کہ خدا کے فرشتے ان کو مجرم کی حیثیت سے پکڑ کر خدا کی عدالت میں حاضر کر دیتے ہیں۔

اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔ پس یہود کے ظلم کی وجہ سے ہم نے وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو ان کے لئے حلال تھیں۔ اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے۔ اور اس وجہ سے کہ وہ سود لیتے تھے حالاں کہ اس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریق سے کھاتے تھے۔ اور اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مگر ان میں جو لوگ علم میں پختہ اور ایمان والے ہیں وہ ایمان لائے ہیں اس پر جو تمہارے اوپر اتارا گیا اور جو تم سے پہلے اتارا گیا اور وہ نماز کے پابند ہیں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم ضرور بڑا اجر دیں گے ۶۲-۱۵۹

عکرمہ کہتے ہیں کہ کوئی یہودی یا عیسائی نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے (لا یموت الیھودی ولا النصرانی حتی یؤمن بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہود و نصاریٰ کے پاس آسمانی علم تھا ایسے لوگ یہ سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتے تھے کہ پیغمبر عربی کی دعوت خالص خدائی دعوت ہے۔ مگر پیغمبر عربی کو ماننا اور ان کے مشن میں اپنا مال اور اپنی زندگی لگانا ان کو دنیوی مصلحتوں کے خلاف نظر آتا تھا۔ اس بنا پر انھوں نے آپ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ مگر جب موت آدمی کے سامنے آتی ہے تو اس قسم کی تمام مصلحتیں باطل ہوتی ہوئی نظر آنے لگتی ہیں۔ اس وقت آدمی کے ذہن سے تمام مصنوعی پردے ہٹ جاتے ہیں اور حق اپنی کھلی صورت میں سامنے آجاتا ہے۔ موت کے دروازے پر پہنچ کر آدمی اس چیز کا اقرار کر لیتا ہے جس کو وہ موت سے پہلے ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ مگر اس وقت کے اقرار کی اللہ کی نظر میں کوئی قیمت نہیں۔

جب کوئی گروہ خدائی دین کے بجائے خود ساختہ دین کو اختیار کرتا ہے تو وہ اپنی دینی حیثیت کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ خود ساختہ نشانات بھی قائم کرتا ہے۔ وہ اپنے مزاج اور اپنے حالات کے لحاظ سے حرام و حلال کے نئے قاعدے بناتا ہے اور ان کا خصوصی اہتمام کر کے ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وہ دوسروں سے زیادہ دین پر قائم ہے۔ ایسے لوگوں کا دین بعض ظاہری چیزوں کے اہتمام پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اللہ والا بننے پر۔ چنانچہ وہ اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کے منع کئے ہوئے طریقوں سے دنیوی فائدے حاصل کریں اور اللہ کے لئے ہوتے والے کام کا راستہ روکیں۔ ایسے لوگوں کا انجام اللہ کے یہاں بے دینوں کے ساتھ نہ کہ دین داروں کے ساتھ۔

یہودیوں میں چند لوگ، عبد اللہ بن سلام وغیرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کا ساتھ دیا۔ جو لوگ انسانی اضافوں سے گزر کر اصل آسمانی دین سے آشنا ہوتے ہیں، جو عصبیت اور تقلید اور مفاد پرستی کی ذہنیت سے آزاد ہوتے ہیں ان کو سچائی کو سمجھنے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔ وہ ہر قسم کے ذہنی خول سے باہر آکر سچائی کو دیکھ لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی جنتوں میں داخل کئے جائیں گے۔

ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے جس طرح ہم نے نوح اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی بھیجی تھی۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی تھی۔ اور ہم نے داؤد کو زبور دی۔ اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم تم کو پہلے سنا چکے ہیں اور ایسے رسول بھی جن کا حال ہم نے تم کو نہیں سنایا۔ اور موسیٰ سے اللہ نے کلام کیا۔ اللہ نے رسولوں کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے ۱۶۵-۱۶۳

اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور پھر جنت اور جہنم بنائی۔ اس کے بعد انسان کو زمین پر بسایا۔ یہاں انسان کو آزادی ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ مگر یہ آزادی مستقل نہیں ہے بلکہ وقتی ہے اور امتحان کے لئے ہے۔ وہ اس لئے ہے تاکہ اچھے اور برے کو چھانٹا جائے۔ خدا یہ دیکھ رہا ہے کہ لوگوں میں کون وہ شخص ہے جو اپنی آزادی کے باوجود حقیقت پسندی کا رویہ اختیار کرتا ہے اور اپنے کو اللہ کا بندہ بنا کر رکھتا ہے اور کون وہ ہے جو اپنی آزادی کا غلط استعمال کر کے بتاتا ہے کہ وہ ایک سرکش انسان ہے۔ دنیا میں دونوں قسم کے لوگ ملے ہوئے ہیں۔ دونوں کو یہاں یکساں طور پر خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل ہے۔ مگر امتحان کی مقررہ مدت پوری ہونے کے بعد دونوں گروہ ایک دوسرے سے الگ کر دئے جائیں گے۔ پہلے گروہ کو ابدی طور پر جنت کے باغوں میں بسایا جائے گا اور دوسرے گروہ کو ابدی طور پر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

زندگی کے بارے میں اللہ کا یہ منصوبہ انسان کو بڑی نزاکت میں ڈال رہا ہے۔ کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی مختصر زندگی کا انجام دو انتہائی صورتوں میں سامنے آنے والا ہے، یا ابدی راحت یا ابدی عذاب۔ اس لئے اللہ نے رہنمائی کے دوسرے فطری انتظامات کے علاوہ پیغمبروں اور کتابوں کے بھیجنے کا انتظام کیا تاکہ کوئی شخص زندگی کی حقیقت سے بے خبر نہ رہے اور فیصلہ کے دن یہ نہ کہہ سکے کہ ہم کو الٰہی منصوبہ کا پتہ نہ تھا کہ ہم اپنی زندگی کو اس کے مطابق بناتے۔

اللہ کے اس منصوبہ کے لازم معنی یہ ہیں کہ شروع سے آخر تک آنے والے تمام نبیوں کا پیغام اور منصبی فریضہ ایک ہو۔ جب تمام انسان ایک ہی امتحان کی ترازو میں کھڑے ہوئے ہیں تو ان کے امتحان کا پرچہ ایک دوسرے سے مختلف کیسے ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام نبیوں کا پیغام ایک تھا اور اسی ایک پیغام سے انھوں نے تمام انسانوں کو باخبر کیا۔ اور وہ یہ کہ ہر آدمی ایک ایسے نازک مقام پر کھڑا ہوا ہے جس کے ایک طرف جنت ہے اور دوسری طرف جہنم۔ وہ ایک طرف چلے تو جنت میں پہنچے گا اور دوسری طرف چلے تو جہنم میں جا گرے گا ـــــ تمام نبیوں کی دعوت ایک تھی۔ البتہ زمانی ضرورت کے اعتبار سے ان کو خدا کی تائید مختلف صورتوں میں ملی۔ اللہ کی یہ سنت آج بھی باقی ہے۔ ڈرانے اور خوش خبری سنانے کا پیغمبرانہ کام کرنے کے لئے آج جو لوگ اٹھیں گے وہ اپنے حالات کے لحاظ سے یقیناً اللہ کی خصوصی تائید کے مستحق ہوں گے تاکہ وہ اپنی دعوتی ذمہ داری کو مؤثر طور پر جاری رکھ سکیں۔

مگر اللہ گواہ ہے اس پر جو اس نے تمہارے اوپر اتارا ہے کہ اس نے اس کو اپنے علم کے ساتھ اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور اللہ گواہی کے لئے کافی ہے۔ جن لوگوں نے انکار کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا وہ بہک کر بہت دور نکل گئے۔ جن لوگوں نے انکار کیا اور ظلم کیا ان کو اللہ ہرگز نہیں بخشے گا نہ ہی ان کو جہنم کے سوا کوئی راستہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور اللہ کے لئے یہ آسان ہے۔ اے لوگو، تمہارے پاس رسول آچکا تمہارے رب کی ٹھیک بات لے کر۔ پس مان لو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ اور اگر نہ مانو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۱۷۰-۱۶۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہود کو آسمانی مذہب کے نمائندہ کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ مذہب کے بڑے بڑے مناصب پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو منظور نہ ہوا کہ وہ اپنے سوا کسی کی بڑائی تسلیم کریں۔ انھوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ آپ اللہ کی طرف سے اس کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم دین کے اجارہ دار ہیں۔ ہم جس شخص کی دینی صداقت کو تسلیم نہ کریں وہ بطور واقعہ بھی غیر تسلیم شدہ بن جاتا ہے۔ مگر وہ بھول گئے کہ یہ کائنات خدا کی کائنات ہے اور اس کا نظام خدا کے فرماں بردار فرشتے چلا رہے ہیں۔ اس لئے یہاں کسی کی اصل تصدیق وہ ہے جو خدا کی طرف سے ہو اور کائنات کا پورا نظام جس کی تائید کرے۔ اور یقیناً خدا اور اس کی پوری کائنات اپنے پیغمبر کے ساتھ ہے نہ کہ کسی کے خود ساختہ مزعومات کے ساتھ۔

خدا کی پکار کے مقابلہ میں جو لوگ یہ ردعمل دکھائیں کہ وہ اس کا اعراض و انکار کریں، وہ لوگوں کو اس کا ساتھ دینے سے روکیں وہ صرف یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ بندگی کے صحیح مقام سے بھٹک کر بہت دور نکل گئے ہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہیں جس کی تردید ساری کائنات کر رہی ہے۔ وہ ایک ایسے منصوبہ کے خلاف محاذ بنا رہے ہیں جس کی پشت پر زمین و آسمان کا مالک کھڑا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑی نادانی اس دنیا میں اور کوئی نہیں، ایسے لوگ دین کے نام پر سب سے بڑی بے دینی کر رہے ہیں۔ جو لوگ اپنے لئے اس قسم کا ظالمانہ رویہ پسند کریں ان کا ذہن اعتراف کے بجائے انکار کے رخ پر چلنے لگتا ہے۔ وہ دن بدن حق سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ابدی بربادی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ خدا کی دعوت کا انکار خود خدا کا انکار ہے۔ خدا کی دعوت اتنے کھلے ہوئے دلائل کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس کو سمجھنا کسی کے لئے مشکل نہ رہے۔ اس کے باوجود جو لوگ خدا کی دعوت کا انکار کریں وہ گویا خدا کے سامنے ڈھٹائی کر رہے ہیں۔ اور ڈھٹائی اللہ کے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے۔

اگر آدمی نے اپنے دل کی کھڑکیاں کھلی رکھی ہوں تو اللہ کی پکار اس کو علی الفور اپنی تلاش کا جواب معلوم ہوگی۔ اس کو محسوس ہوگا کہ وہ حق جو انسانی باتوں میں ڈھک کر رہ گیا تھا، اللہ نے اس کی بے آمیز شکل میں اس کے اعلان کا انتظام کیا ہے، یہ اللہ کے علم اور حکمت کا ظہور ہے نہ کہ کسی شخص کے ذاتی جوش کا کوئی معاملہ۔

اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں کوئی بات حق کے سوا نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو بس اللہ کے ایک رسول اور اس کا ایک کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف القا فرمایا اور اس کی جانب سے ایک روح ہیں۔ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ باز آجاؤ، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ معبود تو بس ایک اللہ ہی ہے۔ وہ پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کا کارساز ہونا کافی ہے۔ مسیح کو ہرگز اللہ کا بندہ بننے سے عار نہ ہوگا اور نہ مقرب فرشتوں کو ہوگا۔ اور جو اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو اللہ ضرور سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کئے تو ان کو وہ پورا پورا اجر دے گا اور اپنے فضل سے ان کو مزید بھی دے گا۔ اور جن لوگوں نے عار اور تکبر کیا ہوگا ان کو دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے مقابلہ میں کسی کو اپنا دوست پائیں گے اور نہ مددگار ۱۷۱-۱۷۳

آدمی کی یہ کمزوری ہے کہ کسی چیز میں کوئی امتیازی پہلو دیکھتا ہے تو اس کے بارے میں مبالغہ آمیز تصور قائم کر لیتا ہے۔ وہ اس کا مقام متعین کرنے میں حد سے آگے نکل جاتا ہے۔ اسی کا نام غلو ہے۔ شرک اور شخصیت پرستی کی تمام قسمیں اصلاً اسی غلو کی پیداوار ہیں۔

دین میں غلو یہ ہے کہ دین میں کسی چیز کا جو درجہ ہو اس کو اس کے واقعی درجہ پر نہ رکھا جائے بلکہ اس کو بڑھا کر زیادہ بڑا درجہ دینے کی کوشش کی جائے ——— اللہ اپنے ایک بندے کو باپ کے بغیر پیدا کرے تو کہہ دیا جائے کہ یہ خدا کا بیٹا ہے۔ اللہ کسی کو کوئی بڑا مرتبہ دے دے تو سمجھ لیا جائے کہ وہ کوئی مافوق شخصیت ہے اور بشری غلطیوں سے پاک ہے۔ دنیا کی چمک دمک سے بچنے کی تاکید کی جائے تو اس کو بڑھا چڑھا کر ترک دنیا تک پہنچا دیا جائے۔ زندگی کے کسی پہلو کے بارے میں کچھ احکام دئے جائیں تو اس میں مبالغہ کر کے اسی کی بنیاد پر ایک پورا دینی فلسفہ بنا دیا جائے۔ اس قسم کی تمام صورتیں جن میں کسی دینی چیز کو اس کے واقعی مقام سے بڑھا کر مبالغہ آمیز درجہ دیا جائے وہ غلو کی فہرست میں شامل ہوگا۔

ہر قسم کی طاقتیں صرف اللہ کو حاصل ہیں۔ اس کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب عاجز اور محکوم ہیں۔ انسان اپنے شعور کے کمال درجہ پر پہنچ کر جو چیز دریافت کرتا ہے وہ یہ کہ خدا قادر مطلق ہے اور وہ اس کے مقابلہ میں عاجز مطلق۔ پیغمبر اور فرشتے اس شعور میں سب سے آگے ہوتے ہیں اس لئے وہ خدا کی قدرت اور اپنے عجز کے اعتراف میں بھی سب سے آگے ہوتے ہیں۔ یہ اعتراف ہی انسان کا اصل امتحان ہے۔ جس کو اپنے عجز کا شعور ہو جائے اس نے خدا کے مقابلہ میں اپنی نسبت کو پالیا۔ اور جس کو اپنے عجز کا شعور نہ ہو وہ خدا کے مقابلہ میں اپنی نسبت کو پانے سے محروم رہا۔ پہلا شخص آنکھ والا ہے جو کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کو پہنچے گا۔ دوسرا شخص اندھا ہے جس کے لئے اس کے سوا کوئی انجام نہیں کہ وہ بھٹکتا رہے یہاں تک کہ ذلت کے گڑھے میں جا گرے۔

اے لوگو، تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمھارے اوپر ایک واضح روشنی اتاردی۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کو انھوں نے مضبوط پکڑ لیا ان کو ضرور اللہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور ان کو اپنی طرف سیدھا راستہ دکھائے گا۔ لوگ تم سے حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دو اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو۔ اور اس کے ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس کے ترکہ کا نصف ہے۔ اور وہ مرد اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس بہن کے کوئی اولاد نہ ہو۔ اور اگر دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے اس کے ترکہ کا دو تہائی ہوگا۔ اور اگر کئی بھائی بہن مرد عورتیں ہوں تو ایک مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ اللہ تمھارے لئے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ۱۷۴-۷۶

اللہ کی طرف سے جب اس کی پکار انسانوں کے سامنے بلند ہوتی ہے تو وہ ایسی کھلی ہوئی صورت میں بلند ہوتی ہے جو تاریکیوں کو ختم کرکے حقائق کو آخری حد تک روشن کردے۔ اسی کے ساتھ وہ ایسے دلائل سے مسلح ہوتی ہے جس کا رد کرنا کسی کے لئے ممکن نہ ہو۔ وہ اس کا استہزا تو کرسکتے ہیں مگر دلیل کی زبان میں اس کو کاٹ نہیں سکتے۔ خدا وہ ہے جو سورج کو نکالتا ہے تو روشنی اور تاریکی ایک دوسرے سے جدا ہوجاتی ہیں۔ خدا کی یہی قدرت اس کی پکار میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد حق اور باطل ایک دوسرے سے اس طرح الگ ہوجاتے ہیں کہ کسی آنکھ والے کے لئے اس کا جاننا ناممکن نہ رہے۔ تاہم سورج کو دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنی آنکھ کھولے۔ اسی طرح خدا کی پکار سے ہدایت لینے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اس پر دھیان دے۔ جو شخص دھیان نہ دے وہ خدا کی پکار کے درمیان رہ کر بھی اس سے محروم رہے گا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حق کو مضبوطی کے ساتھ پکڑا جائے۔ کیونکہ موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے۔ یہاں شیطان ہر آدمی کے پیچھے لگا ہوا ہے جو طرح طرح کے دھوکے میں ڈال کر آدمی کو حق سے بدکاتا رہتا ہے۔ اگر آدمی شیطان کے وسوسوں سے لڑکر حق کا ساتھ دینے کا فیصلہ نہ کرے تو یقیناً شیطان اس کو درمیان میں اچک لے گا۔ تاہم آزمائش کی اس دنیا میں انسان اکیلا نہیں ہے۔ جو لوگ خدا کی طرف چلنا چاہیں گے ان کو ہر موڑ پر خدا کی رہنمائی حاصل ہوگی۔ وہ خدا کی مدد سے منزل پر پہنچنے میں کامیاب ہوں گے۔ جب آدمی کا یہ حال ہوجائے کہ وہ صرف حق کو اہمیت دے تو اللہ کی توفیق سے اس کے اندر یہ صلاحیت ابھر آتی ہے کہ وہ خالص حق پر مضبوطی کے ساتھ جمے اور دوسری راہوں میں بھٹکنے سے بچا رہے۔

میراث اور ترکہ کا حکم بتاتے ہوئے یہ کہنا کہ "اللہ اپنا حکم بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہی میں نہ پڑو" ظاہر کرتا ہے کہ میراث اور ترکہ کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ ان امور میں سے ہے جس میں اللہ کے بتائے ہوئے قاعدے کی پابندی نہ کرنا آدمی کو گمراہی کی خندق میں ڈال دیتا ہے۔

آیاتہا ۱۲۰ سورۃ المائدہ مدنیۃ۔ ۵ رکوعاتہا ۱۶

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اے ایمان والو، عہد و پیمان کو پورا کرو۔ تمھارے لئے مویشی کی قسم کے سب جانور حلال کئے گئے سوا ان کے جن کا ذکر آگے کیا جا رہا ہے۔ مگر احرام کی حالت میں شکار کو حلال نہ جانو۔ اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے۔ اے ایمان والو، بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینوں کی اور نہ حرم میں قربانی والے جانوروں کی اور نہ پٹے بندھے ہوئے نیاز کے جانوروں کی اور نہ حرمت والے گھر کی طرف آنے والوں کی جو اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشی ڈھونڈنے نکلے ہیں۔ اور جب تم احرام کی حالت سے باہر آجاؤ تو شکار کرو۔ اور کسی قوم کی دشمنی کہ اس نے تم کو مسجد حرام سے روکا ہے تم کو اس پر نہ ابھارے کہ تم زیادتی کرنے لگو۔ تم نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۲-۱

مومن کی زندگی ایک پابند زندگی ہے۔ وہ دنیا میں آزاد ہے کہ جو چاہے کرے اس کے باوجود وہ اللہ کی آقائی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو پابند بنا لیتا ہے، وہ اپنے آپ کو از خود عہد کی رسی میں باندھ لیتا ہے۔ اللہ کا معاملہ ہو یا بندوں کا معاملہ، دونوں قسم کے معاملات میں اس نے اپنے کو پابند کر لیا ہے کہ وہ آزادانہ عمل نہ کرے بلکہ خدا کے حکم کے مطابق عمل کرے۔ وہ انھیں چیزوں کو اپنی خوراک بنائے جو خدا نے اس کے لئے حلال کی ہیں اور جو چیزیں خدا نے حرام کی ہیں ان کو کھانا چھوڑ دے۔ کسی موقع پر اگر کسی جائز چیز سے بھی روک دیا جائے جیسا کہ احرام کی حالت میں یا حرام مہینوں کے بارے میں حکم سے واضح ہوتا ہے تو اس کو بھی بے چون و چرا مان لے۔ کوئی چیز کسی دینی حقیقت کی علامت بن جائے تو اس کا احترام کرے، کیوں کہ ایسی چیز کا احترام خود دین کا احترام ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ کے خوف سے کرے نہ کہ کسی اور جذبہ سے۔

آدمی عام حالات میں اللہ کے حکموں پر عمل کرتا ہے۔ مگر جب کوئی غیر معمولی حالت پیدا ہوتی ہے تو وہ بدل کر دوسرا انسان بن جاتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والا یکایک اللہ سے بے خوف انسان بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ موقع وہ ہے جب کہ کسی کی کوئی مخالفانہ حرکت اس کو مشتعل کر دیتی ہے۔ ایسے موقع پر آدمی انصاف کی حدوں کو بھول جاتا ہے اور یہ چاہنے لگتا ہے کہ جس طرح بھی ہو اپنے حریف کو ذلیل اور ناکام کرے۔ مگر اس قسم کی معاندانہ کارروائی خدا کے نزدیک جائز نہیں، حتی کہ اس وقت بھی نہیں جب کہ مسجد حرام کی زیارت جیسے پاک کام سے کسی نے دوسرے کو روکا ہو۔ کوئی شخص اس قسم کی ظالمانہ کارروائی کرنے کے لئے اٹھے اور کچھ لوگ اس کا ساتھ دینے لگیں تو یہ گناہ کی راہ میں کسی کی مدد کرنا ہوگا۔ جب کہ اللہ سے ڈرنے والوں کا شیوہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ صرف نیکی کے کاموں میں دوسرے کی مدد کریں۔ جو شخص حق پر ہو اس کا ساتھ دینا اور جو ناحق پر ہو اس کا ساتھ نہ دینا موجودہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ مگر اسی مشکل کام پر آدمی کے اخروی انجام کا فیصلہ ہونے والا ہے۔

تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور نام پر ذبح کیا گیا ہو اور وہ جو مرگیا ہو گلا گھونٹنے سے یا چوٹ سے یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور وہ جس کو درندے نے کھایا ہو مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور وہ جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے۔ یہ گناہ کا کام ہے۔ آج کافر تمھارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ پس تم ان سے نہ ڈرو، صرف مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمھارے لئے تمھارے دین کو پورا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔ پس جو بھوک سے مجبور ہو جائے لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۳

بعض جانور اپنے طبعی اور اخلاقی نقصانات کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ انسان ان کو اپنی خوراک بنائے خنزیر کو اللہ تعالیٰ نے اسی سبب سے حرام قرار دیا۔ اسی طرح جانور کے جسم میں گوشت کے علاوہ کئی دوسری چیزیں ہوتی ہیں جو انسانی خوراک بننے کے قابل نہیں۔ انھیں میں سے خون بھی ہے۔ چنانچہ اسلام میں جانور کو ذبح کرنے کی ایک خاص صورت مقرر کی گئی تاکہ جانور کے جسم کا خون پوری طرح بہہ کر نکل جائے۔ ذبح کے سوا جانور کو مارنے کے جو طریقے ہیں ان میں خون جانور کے گوشت میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے، وہ پوری طرح اس سے الگ نہیں ہوتا۔ اسی سبب سے شریعت میں مردار کی تمام قسموں کو بھی حرام کر دیا گیا۔ کیوں کہ مردار جانور کا خون فوراً ہی اس کے گوشت میں جذب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایسا گوشت بھی حرام کر دیا گیا جس میں کسی طرح مشرکانہ عقیدہ کی آمیزش ہو جائے۔ مثلاً غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا یا غیر اللہ کے تقرب کی خاطر جانور کو قربان کرنا۔ تاہم اللہ نے اپنی رحمت خاص سے یہ گنجائش دے دی کہ کسی کو بھوک کی ایسی مجبوری پیش آجائے کہ اس کو موت یا حرام خوراک میں سے ایک کو لینا ہو تو وہ موت کے مقابلہ میں حرام خوراک کو اختیار کرے۔

"آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لئے کامل کر دیا" یعنی تم کو جو احکام دئے جانے تھے وہ سب دے دئے گئے۔ تمھارے لئے جو کچھ بھیجنا مقدر کیا گیا وہ سب بھیجا جا چکا۔ یہاں علی الاطلاق دین کے کامل کئے جانے کا ذکر نہیں ہے بلکہ امت محمدی پر جو قرآن نازل ہونا شروع ہوا تھا اس کے پورے ہونے کا اعلان ہے۔ یہ نزول کی تکمیل کا ذکر ہے نہ کہ دین کی تکمیل کا۔ اسی لئے الفاظ یہ نہیں ہیں کہ "آج میں نے دین کو کامل کر دیا" بلکہ یہ فرمایا کہ "آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لئے کامل کر دیا"۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کا دین ہر زمانہ میں اپنی کامل صورت میں انسان کو دیا گیا ہے۔ خدا نے کبھی ناقص دین انسان کے پاس نہیں بھیجا۔

قرآن کو ماننے والی امت کو خدا نے اتنی مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا ہے کہ وہ اپنی امکانی قوت کے اعتبار سے ہر بیرونی خطرہ کی زد سے باہر ہو چکی ہے۔ اب اگر اس کو کوئی نقصان پہنچے گا تو اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے نہ کہ خارجی حملوں کی وجہ سے۔ اور اندرونی کمزوریوں سے پاک رہنے کی سب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ اس کے افراد اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔

وہ پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا چیز حلال کی گئی ہے۔ کہو کہ تمھارے لئے ستھری چیزیں حلال ہیں۔ اور شکاری جانوروں میں سے جن کو تم نے سدھایا ہے، تم ان کو سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تم کو سکھایا۔ پس تم ان کے شکار میں سے کھاؤ جو وہ تمھارے لئے پکڑ رکھیں۔ اور ان پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرو، اللہ بے شک جلد حساب لینے والا ہے۔ آج تمھارے لئے سب ستھری چیزیں حلال کر دی گئیں۔ اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لئے حلال ہے اور تمھارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ اور حلال ہیں تمھارے لئے پاک دامن عورتیں مسلمان عورتوں میں سے اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی جب تم انھیں ان کے مہر دے دو اس طرح کہ تم نکاح میں لانے والے ہو، نہ علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔ اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو اس کا عمل ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۵ - ۴

وہ تمام چیزیں جن کو فطرت کی نگاہ پاک اور ستھرا محسوس کرتی ہے۔ اور وہ تمام جانور جو اپنی سرشت کے لحاظ سے انسان کی سرشت سے مناسبت رکھتے ہیں انسان کے لئے حلال ہیں۔ البتہ یہ شرط ہے کہ خارجی سبب سے ان کے اندر کوئی فساد شرعی یا طبعی نہ پیدا ہوا ہو۔ تاہم اس اصول کو انسان محض اپنی عقل سے پوری طرح متعین نہیں کر سکتا اس لئے اس کو تعیین کے ساتھ بھی بیان کر دیا گیا۔ سدھائے ہوئے جانور کا شکار بھی اسی لئے حلال ہے کہ وہ شکار کو اپنے مالک کے لئے پکڑ کر رکھتا ہے۔ گویا اس نے آدمی کی خو سیکھ لی۔ ایسا جانور گویا شکار کے معاملہ میں خود آدمی کا قائم مقام بن گیا۔

حلال و حرام کا قانون خواہ کتنی ہی تفصیل کے ساتھ بتا دیا جائے بالآخر آدمی کا اپنا ارادہ ہی ہے جو اس کو کسی چیز سے روکتا ہے اور کسی چیز کی طرف لے جاتا ہے۔ آدمی کے اوپر اصل نگراں قانون کی دفعات نہیں بلکہ وہ خود ہے۔ اگر آدمی خود نہ چاہے تو قانون کو مانتے ہوئے وہ اس سے فرار کی راہیں تلاش کرے گا۔ یہ صرف اللہ کا خوف ہے جو آدمی کو پابند کرتا ہے کہ وہ قانون کو اس کی حقیقی روح کے ساتھ محفوظ رکھے۔ اسی لئے حرام و حلال کا قانون بتاتے ہوئے کہا گیا: اللہ سے ڈرو، اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

مسلمان عورت کے لئے کسی حال میں جائز نہیں کہ وہ غیر مسلم مرد سے نکاح کرے۔ مگر مسلمان مردوں کو مخصوص شرائط کے تحت اجازت دی گئی ہے کہ وہ اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔ اس گنجائش کی حکمت یہ ہے کہ عورت فطرۃً تاثر پذیر مزاج رکھتی ہے۔ اس سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ عملی زندگی میں آنے کے بعد اپنے مسلم شوہر اور مسلم معاشرہ کا اثر قبول کرے اور اس طرح نکاح اس کے لئے اسلام میں داخلہ کا ذریعہ بن جائے۔

"جو شخص ایمان سے انکار کرے تو اس کا عمل ضائع ہو گیا" یعنی ایمان کے بغیر عمل کی کوئی حقیقت نہیں۔ عمل وہی ہے جو خالص اللہ کے لئے کیا جائے۔ جو عمل اللہ کے لئے نہ ہو وہ خود اپنے لئے ہوتا ہے۔ پھر اپنی خاطر کئے ہوئے عمل کی قیمت اللہ کیوں دے گا۔

اے ایمان والو، جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک دھوؤ اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو غسل کر لو۔ اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی استنجا سے آئے یا تم نے عورت سے صحبت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اور اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس سے مسح کر لو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے تاکہ تم شکر گزار بنو ۶

نماز کا مقصد آدمی کو برائیوں سے پاک کرنا ہے۔ وضو اسی کی ایک خارجی تیاری ہے۔ آدمی جب نماز کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے وہ پانی کے پاس جاتا ہے۔ پانی بہت بڑی نعمت ہے جو آدمی کے لئے ہر قسم کی گندگی کو دھونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی طرح نماز بھی ایک ربانی چشمہ ہے جس میں نہا کر آدمی اپنے آپ کو برے جذبات اور گندے خیالات سے پاک کرتا ہے۔

آدمی وضو کو شروع کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالتا ہے تو گویا عمل کی زبان میں یہ دعا کرتا ہے کہ خدایا میرے ان ہاتھوں کو برائی سے بچا اور ان کے ذریعہ جو برائیاں مجھ سے ہوئی ہیں ان کو دھو کر صاف کر دے۔ پھر وہ اپنے منھ میں پانی ڈالتا ہے اور اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کی روح زبان حال سے کہہ اٹھتی ہے کہ خدایا میں نے اپنے منھ میں جو غلط خوراک ڈالی ہو، میں نے اپنی زبان سے جو برا کلمہ نکالا ہو، میری آنکھوں نے جو بری چیز دیکھی ہو ان سب کو تو مجھ سے دور کر دے۔ پھر وہ پانی لے کر اپنے ہاتھوں کو سر کے اوپر پھیرتا ہے تو اس کا وجود سراپا اس دعا میں ڈھل جاتا ہے کہ خدایا میرے ذہن نے جو بری باتیں سوچی ہوں اور جو غلط منصوبے بنائے ہوں ان کے اثرات کو مجھ سے دھو دے اور میرے ذہن کو پاک صاف ذہن بنا دے۔ پھر جب وہ اپنے پیروں کو دھوتا ہے تو اس کا عمل اس کے لئے اپنے رب کے سامنے یہ درخواست بن جاتا ہے کہ وہ اس کے پیروں سے برائی کی گرد کو دھو دے اور اس کو ایسا بنا دے کہ سچائی اور انصاف کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر وہ کبھی نہ چلے۔ اس طرح پورا وضو آدمی کے لئے گویا اس دعا کی عملی صورت بن جاتا ہے کہ: خدایا مجھے غلطی سے پلٹنے والا بنا اور مجھ کو برائیوں سے پاک رہنے والا بنا۔

عام حالات میں پاکی کا احساس پیدا کرنے کے لئے وضو کافی ہے۔ مگر جنابت کی حالت ایک غیر معمولی حالت ہے اس لئے اس میں پورے جسم کا دھونا (غسل) ضروری قرار دیا گیا۔ وضو اگر چھوٹا غسل ہے تو غسل بڑا وضو ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ وہ بندوں کو غیر ضروری مشقت میں ڈالے۔ اس لئے معذوری کی حالتوں میں پاکی کے احساس کو تازہ کرنے کے لئے تیمم کو کافی قرار دیا گیا۔ وضو اور غسل کے سادہ طریقے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ اس طرح طہارت شرعی کو طہارت طبعی کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ معذوری کی حالت میں تیمم کی اجازت مزید نعمت ہے کیونکہ یہ غلو سے بچانے والی ہے جس میں اکثر مذاہب مبتلا ہوئے۔

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور اس کے اس عہد کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا ہے۔ جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا۔ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ دلوں کی بات تک جانتا ہے۔ اے ایمان والو، اللہ کے لئے قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو۔ اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو۔ یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیا ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے لئے بخشش ہے اور بڑا اجر ہے۔ اور جنھوں نے انکار کیا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔ اے ایمان والو، اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کرے تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھ کو روک دیا۔ اور اللہ سے ڈرو اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے ۱۱-۷

ایمان ایک عہد ہے جو بندے اور خدا کے درمیان قرار پاتا ہے۔ بندہ یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ دنیا میں اللہ سے ڈر کر رہے گا اور اللہ اس کا ضامن ہوتا ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں بندہ کا کفیل ہو جائے گا۔ بندے کو اپنے عہد میں پورا اترنے کے لئے دو باتوں کا ثبوت دینا ہے۔ ایک یہ کہ وہ قوام للہ بن جائے۔ یعنی وہ خدا کی باتوں پر خوب قائم رہنے والا ہو۔ اس کا وجود ہر موقع پر صحیح ترین جواب پیش کرے جو بندے کو اپنے رب کے لئے پیش کرنا چاہئے۔ وہ جب کائنات کو دیکھے تو اس کا ذہن خدا کی قدرتوں اور عظمتوں کے تصور سے سرشار ہو جائے۔ وہ جب اپنے آپ کو دیکھے تو اس کو اپنی زندگی سراپا فضل اور احسان نظر آئے۔ اس کے جذبات امنڈیں تو خدا کے لئے امنڈیں۔ اس کی توجہات کسی چیز کو اپنا مرکز بنائیں تو خدا کو بنائیں۔ اس کی محبت خدا کے لئے ہو۔ اس کے اندیشے خدا سے وابستہ ہوں۔ اس کی یادوں میں خدا سمایا ہوا ہو۔ وہ خدا کی عبادت و اطاعت کرے۔ وہ خدا کے راستہ میں اپنے اثاثہ کو خرچ کرے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کے دین کے راستہ میں لگا کر خوش ہوتا ہو۔

عہد پر قائم رہنے کی دوسری شرط بندوں کے ساتھ انصاف ہے۔ انصاف کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ کمی بیشی کئے بغیر وہ سلوک کرنا جس کا وہ باعتبار واقعہ مستحق ہے۔ معاملات میں حق کو اپنانا نہ کہ اپنی خواہشات کو۔ اس معاملہ میں بندے کو اتنا زیادہ پابند بننا ہے کہ وہ ایسے مواقع پر بھی اپنے کو انصاف سے باندھے رہے جب کہ وہ دشمنوں اور باطل پرستوں سے معاملہ کر رہا ہو، جب کہ شکایتیں اور تنگ یادیں اس کو انصاف کے راستہ سے پھیرنے لگیں۔

دنیا میں خدا فشانیوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی ایسے دلائل کی صورت میں جس کی کاٹ آدمی کے پاس موجود نہ ہو۔ جب آدمی کے سامنے خدا کی دلیل آئے اور وہ اس کو ماننے کے بجائے لفظی تکرار کرنے لگے تو اس نے خدا کی نشانی کو جھٹلایا۔ ایسے لوگ خدا کے یہاں سخت سزا پائیں گے۔ اور جن لوگوں نے اس کو مان لیا وہ خدا کے انعام کے مستحق ہوں گے۔

رسالت اور پیغمبری

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غیر مسلم آئے اور آپ سے آپ کے پیغمبر ہونے کا ثبوت مانگا۔ انھوں نے کہا کہ خدا کے پیغمبر حضرت موسیٰ عصا اور ید بیضا لے کر آئے جو لوگوں کے لئے ان کی پیغمبری کا ثبوت تھا۔ اسی طرح خدا کے پیغمبر حضرت عیسیٰ اندھوں کو بینا کرتے تھے اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے، یہ ان کا معجزہ تھا جو ان کے پیغمبر خدا ہونے کو ثابت کرتا تھا۔ اسی طرح دوسرے پیغمبر بھی کوئی نہ کوئی معجزہ لائے اور اس کو اپنی پیغمبری کے ثبوت کے لئے پیش کیا۔ آپ بتائیں کہ آپ اپنی پیغمبری کے ثبوت کے لئے کیا معجزہ لائے ہیں۔ آپ نے خاموشی کے ساتھ ان کے سوال کو سنا اور اس کے بعد سورۂ آل عمران کے آخر کی یہ آیتیں پڑھیں: زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی بناوٹ میں غور کرتے ہیں۔ وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب، تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے اس سے کہ تو عبث کام کرے۔ پس اے ہمارے رب، ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب، ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ اے ہمارے رب، ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہم سے درگزر فرما۔ ہماری برائیوں کو دور کر دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔۔۔۔ آل عمران

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آیتیں پڑھ کر سنانا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا تھا کہ میری نبوت کا ثبوت وہ پوری کائنات ہے جو تمھارے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ زمین و آسمان کا پورا نظام اپنی خاموش زبان میں رسالت اور پیغام رسالت کی تصدیق کر رہا ہے۔ پھر اس کے بعد کسی اور معجزہ کی کیا ضرورت۔ پیغمبر اسلام کی نبوت دائمی نبوت تھی۔ اس لئے آپ کے لئے وقتی معجزہ کار آمد نہ تھا۔ آپ کے لئے وہ معجزہ مفید تھا جو آپ کی نبوت کی طرح مستقل ہو اور آپ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی باقی رہے۔ تاکہ ہر دور کا انسان اس کو دیکھ سکے۔ اسی لئے آپ نے خدا کی دنیا کو اپنے حق میں ابدی معجزہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ قرآن میں عالمی نظام کے ان پہلوؤں کی نشان دہی کی گئی جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسان کی اصلاح کے لئے خدائی رہنمائی کا انتظام ہونا چاہئے۔

کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ ایک سوال ہے اور پیغمبری اسی سوال کا جواب۔ ہمارے سامنے ایک انتہائی عظیم اور مکمل دنیا ہے۔ وہ نہ صرف موجود ہے بلکہ ایک حد درجہ محکم نظام کے ساتھ مسلسل متحرک ہے۔ اس کے اندر نہ کوئی نقص ہے اور نہ کوئی خلا۔ وہ ناقابل قیاس پھیلاؤ اور تنوع کے باوجود کمال درجہ ہم آہنگ ہے۔

اس کے اندر انتہائی بامعنی سرگرمیاں جاری ہیں۔ وہ اپنے بے شمار اجزار کے ساتھ انتہائی محکم بنیادوں پر چل رہی ہے۔ ایسی ایک کائنات کو دیکھ کر فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا خالق و مالک کون ہے۔ کون ہے جو اس کو عدم سے وجود میں لے آیا۔ کائنات یہ انتہائی اہم سوال ہمارے سامنے لاتی ہے مگر وہ اس کا کوئی جواب نہیں دیتی۔ وہ ہم کو قوس قزح کا مشاہدہ کراتی ہے مگر وہ ہم کو اپنے خالق کا چہرہ نہیں دکھاتی۔ کائنات میں حرکت ہے، زندگی ہے، روشنی ہے، تخلیق ہے، مختلف قسم کی طاقتیں ہیں۔ حتیٰ کہ طرح طرح کے جاندار بولی کی صورت میں بولنے والی زبانیں بھی ہیں۔ مگر اس اہم ترین سوال کے بارے میں سب خاموش ہیں۔ کوئی بھی انسان کو اس سوال کا جواب نہیں دیتا۔ کسی پہاڑ کی چوٹی پر ایسا کوئی بورڈ لگا ہوا نہیں ہے جہاں اس سوال کا جواب لکھ دیا گیا ہو۔ یہ صورت حال پکار رہی ہے کہ کوئی بتانے والا ہو جو انسان کو اس سوال کے بارے میں بتائے۔

اسی کے ساتھ دوسرا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ اس کائنات کا انجام کیا ہے۔ کائنات کی ہر چیز حرکت میں ہے۔ زمین مسلسل سفر کر رہی ہے۔ شمسی نظام زمین اور دوسرے سیاروں کو لئے ہوئے ایک طرف کو چلا جا رہا ہے۔ پھر کہکشاں ہمارے شمسی نظام اور دوسرے ستاروں کو لئے ہوئے ہر لمحہ رواں دواں ہے۔ کائنات کا قافلہ اپنے تمام اجزار کے ساتھ کسی منزل کی طرف چلا جا رہا ہے۔ مگر کوئی بھی اپنی منزل کے بارے میں اعلان نہیں کرتا۔ کائنات کچھ نہیں بتاتی کہ وہ کہاں سے چلی ہے اور کہاں چلی جا رہی ہے اور بالآخر اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ یہ شدید ترین اہمیت رکھنے والا سوال ہے۔ کیوں کہ کائنات کے تیز رفتار قافلہ میں انسان بھی شریک ہے اور وہ مسلسل ایک نامعلوم سفر کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ اگر وہ اپنے سفر اور اپنی منزل کی بابت نہ جانے تو سارا سفر اندھیرے کا سفر بن جائے گا۔ اس صورت حال کا تقاضا ہے کہ یہاں کوئی انتظام ہو جو انسان کو اس معاملہ کی حقیقت سے باخبر کرے۔

پھر اسی سے متعلق یہ سوال ہے کہ انسان کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ آدمی کے سامنے بے شمار معاملات آتے ہیں اور ان کے درمیان ایک سے زیادہ طریقے اختیار کرنا اس کے لئے ممکن رہتا ہے، پھر انسان کون سا معیار اپنے سامنے رکھے۔ وہ کون سا طریقہ اختیار کرے اور کون سا طریقہ اختیار نہ کرے۔ انسان کے لئے راہ عمل کیا ہو۔ پانی کا راستہ زمین کے نشیب و فراز سے بن جاتا ہے۔ درخت سے لے کر ستاروں تک ہر چیز کا ایک نظام مقرر ہے جس پر وہ پابندی کے ساتھ چلے جا رہے ہیں۔ کائنات کی دوسری چیزوں کے لئے یہ سوال نہیں کہ وہ کرے اور کس کو چھوڑ دے۔ جب کہ انسان اپنے اختیار کی وجہ سے ہر وقت اس سوال سے دوچار رہتا ہے پوری کائنات میں انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جس کے سامنے کوئی معلوم اور مقرر راہ عمل نہیں۔ سورج ایک حد درجہ پابند نظام کے تحت ہر روز ہمارے لئے روشنی بھیجتا ہے مگر وہ ہماری اپنی زندگی کے سوال پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا۔ ہوا ایک مکمل نظام کے تحت چلتی ہے اور پھولوں کی خوشبو ہمارے مشام تک پہنچاتی ہے

مگر وہ ہمارے اصل مسئلہ کے بارے میں ہم کو کوئی خبر نہیں دیتی۔ پانی ایک متعین قانون میں بندھا ہوا ہے، وہ ہمارے لئے ٹھنڈک اور تراوٹ لے کر آتا ہے مگر ہماری تلاش کے بارے میں وہ ہماری کوئی مدد نہیں کرتا۔ زمین اپنی محوری گردش کے ذریعہ ہر روز ہمارے لئے دن لاتی ہے اور رات کا پردہ ہمارے اوپر سے ہٹاتی ہے مگر وہ زندگی کے بھید کا پردہ نہیں کھولتی۔ درخت زمین کو پھاڑ کر نکلتے ہیں اور ایک منظم کارخانہ کی طرح عمل کرتے ہوئے ہمارے لئے سایہ اور رزق فراہم کرتے ہیں۔ مگر وہ ہماری ذہنی غذا کے لئے ہمیں کوئی چیز فراہم نہیں کرتے۔ چڑیاں چہچہاتی ہیں، ان کو اپنی زندگی کا نظام پوری طرح معلوم ہے مگر وہ ہماری قابل فہم زبان میں ہم کو کوئی پیغام نہیں دیتیں۔ ستارے اور سیارے اپنے نظام میں ایک سکنڈ کا فرق کئے بغیر دوڑ رہے ہیں مگر وہ نہیں بتاتے کہ وہ کون سی منزل ہے جس کی طرف انسان کو رواں دواں ہونا چاہئے۔ کائنات کی ہر چیز ایک ہی مقرر راستہ پر چل رہی ہے، حقیر چیونٹی سے لے کر عظیم کہکشانوں تک سب کے سب اپنے مقرر نظام کے اس طرح پابند ہیں جیسے ان کو اپنی راہ عمل پوری طرح معلوم ہو۔ یہاں صرف ایک انسان ہے جو اپنی راہ عمل سے بے خبر ہے۔ ایک باخبر کائنات میں وہ بالکل بے خبر حالت میں کھڑا ہوا تمام چیزوں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنی منزل کی طرف جاتا ہوا دیکھتا ہے مگر اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ خود کیا کرے اور کدھر جائے۔

کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں سب کا ایک نظام عمل مقرر ہے جس پر وہ حد درجہ پابندی کے ساتھ قائم ہیں۔ یہاں صرف ایک انسان کا استثناء ہے۔ انسان واحد مخلوق ہے جو کسی نظام میں بندھا ہوا نہیں ہے۔ وہ اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ زمین اپنے مدار میں گھومتی ہے۔ وہ دوسرے سیاروں کے مدار میں داخل نہیں ہوتی۔ ایک متعین صورت حال جہاں دوسری چیزیں ہمیشہ ایک ہی رخ اختیار کرتی ہیں، انسان کے لئے ممکن ہوتا ہے کہ وہ کئی رخ اختیار کر سکے۔ وہ اپنے "مدار" سے نکل کر دوسرے کے "مدار" میں مداخلت کرنے لگے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے لئے راہ عمل پانے کا معاملہ اس سے مختلف ہے جو بقیہ کائنات کا ہے۔ بقیہ چیزیں اپنے لئے راہ عمل خود اپنے ساتھ لاتی ہیں مگر انسان کو اپنی راہ عمل باہر سے حاصل کرنا ہے۔

مطالعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ انسان اپنی راہ عمل خود دریافت نہیں کر سکتا۔ انسان عقل و فہم رکھتا ہے مگر اس کی عقل و فہم اصل مسئلہ کی نسبت سے اتنی محدود ہے کہ کسی طرح بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی کوشش سے اس سوال کا جواب معلوم کر سکے۔ پچھلے ہزاروں سال کی تاریخ نے اس کو تجرباتی سطح پر ثابت کر دیا ہے۔ کائنات کے اندر اپنے سوال کا جواب نہ پا کر انسان نے خود تحقیق شروع کی۔ مگر نسلوں کی کوششیں بھی اس کو کسی ایسی بات تک نہ پہنچا سکیں جس پر وہ یقین کر سکے۔ اس نے ستاروں اور سیاروں کی حرکت کے اصول معلوم کر لئے، مگر انسان کے سفر اور اس کے آغاز و انجام کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ کر سکا۔ اس نے جمادات، نباتات اور حیوانات کا قانون دریافت کر لیا مگر خود انسان کا قانون دریافت کرنے میں ناکام رہا۔ اس نے یہ جان لیا کہ مادہ فنا ہوتا ہے تو انرجی

بن جاتا ہے اور انرجی ختم ہوتی ہے تو وہ مادہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے مگر انسان مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے اس کی بابت وہ کچھ نہ جان سکا۔ اس نے معلوم کر لیا کہ کائنات کی تمام چیزیں ایک ہی محکم قانون میں بندھی ہوئی ہیں اور اس سے ادنیٰ انحراف کئے بغیر کھرب ہا کھرب سال تک چلتی رہتی ہیں۔ مگر انسان کا قانون حیات کیا ہو، اس کے بارے میں وہ کچھ معلوم نہ کر سکا۔ اس نے کائنات کی وسعتوں کو اپنے آلات کی مدد سے دیکھ لیا اور انتہائی چھوٹے ایٹم کے اندرونی نظام کا پتہ کر لیا۔ مگر انسان کی حقیقت کیا ہے، وہ کس منصوبہ کے تحت وجود میں آیا ہے اس کی بابت وہ کچھ نہ جان سکا۔ انسان کی سب سے بڑی ضرورت کے بارے میں انسان کی یہ مجبوری ثابت کرتی ہے کہ اس کو اس بارے میں ایک خصوصی رہنما درکار ہے۔ اس سے پیغمبر کی ضرورت پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے۔ انسان اپنی زندگی کو بامعنی بنانے کے لئے پیغمبر کا لازمی طور پر محتاج ہے۔ اس کے بعد جب ہم ان تعلیمات پر غور کرتے ہیں جو پیغمبر نے پیش کی ہیں تو مزید یقین ہو جاتا ہے کہ پیغمبر ہی فی الواقع انسان کی ایک لازمی ضرورت ہے۔ پیغمبر کی بتائی ہوئی باتیں ان تمام سوالات کا تسلی بخش اور مکمل جواب ہیں جو انسان کو درپیش ہیں۔ یہ تعلیمات خود اس بات کا ثبوت ہیں کہ پیغمبر واقعی اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ نے اس کو حقیقت کا علم دے کر انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا ہے۔ بقیہ چیزوں کا قانون عمل ان کے پیدا کرنے والے نے اندرونی طور پر ان کے اندر رکھ دیا اور انسان کا قانون عمل پیغمبر کے ذریعہ اس کے پاس بھیجا۔

پیغمبر ہم کو بتاتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے اور وہ اپنی غیر معمولی قدرت کے ساتھ اس نظام کو چلا رہا ہے۔ اس جواب سے زیادہ صحیح جواب کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ یہ جواب ایسا ہی ہے جیسے ایک مشین بہت عمدہ چل رہی ہو۔ لوگ اس کی کارکردگی کو دیکھ کر حیران ہوتے ہوں۔ مگر اس کی ساخت اس پر لکھی ہوئی نہ ہو۔ اب ایک واقف کار یہ کہے کہ یہ فلاں کارخانہ کی بنی ہوئی ہے جو دنیا بھر میں انجینرنگ کا سب سے اچھا کارخانہ ہے۔ یہ بات معلوم ہوتے ہی دیکھنے والوں کی الجھن ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ اب ان کو مشین کی اعلیٰ کارکردگی کی توجیہہ مل گئی۔ اسی طرح ایک عظیم کائنات کا موجود ہونا اور پھر اس کا حد درجہ محکم طریقہ پر چلنا اس کے بارے میں یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ وہ کیوں کر بنی اور کیسے چل رہی ہے۔ جب پیغمبر یہ کہتا ہے کہ ایک خدا ہے جس نے اس کو بنایا اور جو اس کو اپنی خدائی طاقتوں سے چلا رہا ہے تو فوراً ہم کو اپنے سوال کا جواب مل جاتا ہے۔ یہ جواب ہمارے لئے ذرا بھی بعید از قیاس نہیں۔ کیوں کہ خدا کو ماننا ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو ماننا۔ ہم اپنی ذات کی سطح پر ایک ایسے وجود کا تجربہ کر رہے ہیں جو دیکھتا ہے، جو سنتا ہے، جو سوچتا ہے، جو چلتا ہے، جو پکڑتا ہے، جو منصوبہ بناتا ہے، جو واقعات کو ظہور میں لاتا ہے۔ "انسان" کی صورت میں جن قوتوں کو ہم محدود طور پر دیکھ رہے ہیں وہی قوتیں زیادہ کامل طور پر خدا کی صورت میں موجود ہوں تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے۔ یہ تو گویا اسی واقعہ کو زیادہ بڑے پیمانہ پر ماننا ہے جس کا ہر وقت ہم چھوٹے پیمانہ پر تجربہ کر رہے ہیں۔ "میں" ہوں یہی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ "خدا" ہے۔

دوسری بات جو پیغمبر بتاتا ہے وہ یہ کہ یہ کائنات بے انجام نہیں۔ اس کا ایک انجام ہے جو موت کے بعد سامنے آنے والا ہے۔ آدمی کو بظاہر اس دنیا میں جو آزادی حاصل ہے وہ صرف امتحان کے لئے ہے۔ یہ آزادی ایک خاص مدت تک ہے۔ اس مدت کے ختم ہونے کے بعد موجودہ نظام توڑ دیا جائے گا۔ اور نیا زیادہ کامل اور ابدی نظام بنایا جائے گا۔ وہاں خدا اپنی طاقتوں کے ساتھ ظاہر ہو جائے گا جو اس وقت امتحان کی مصلحت کی بنا پر غیب کے پردہ میں چھپا ہوا ہے۔ آج کی دنیا میں ہر ایک کو فائدہ اٹھانے کا موقع ہے۔ مگر آنے والی دنیا میں خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا حق صرف ان لوگوں کو ہوگا جنھوں نے حالت غیب میں خدا کی وفاداری کی ہوگی۔ بقیہ تمام لوگ خدا کی نعمتوں سے دور پھینک دئے جائیں گے۔ پیغمبر کی یہ خبر بھی پوری طرح سچائی کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ ایک ایسا خدا جس نے دیکھنے اور سمجھنے والے انسان کو بنایا، کیسی عجیب بات ہوگی کہ انسان یوں ہی پیدا ہو کر مر جائے اور اس کا خدا اس کے سامنے ظاہر نہ ہو کہ وہ اس کو دیکھے اور جانے۔ پھر موجودہ کائنات اتنی باحکمت ہے کہ کسی طرح بھی یہ بات قابل تصور نہیں ہے کہ اس کا کوئی انجام نہ ہو، کوئی ایسا دن نہ آئے جہاں ظلم ظلم کی صورت میں اور انصاف انصاف کی صورت میں نمایاں ہو۔ پیغمبر کی خبر عین وہی ہے جس کا انسانی فطرت تقاضا کر رہی تھی، ایک ایسی دنیا جہاں عدم سے وجود کے مظاہرے ہوتے ہوں۔ جہاں رات کے بعد دن آتا ہو، جہاں ایک معمولی بیج سے بے شمار بڑے بڑے درخت پیدا ہوتے ہوں۔ جہاں "آج" ہمیشہ "کل" میں تبدیل ہوتا ہو، ایسی دنیا کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کی ایک آخرت ہے حد درجہ قابل فہم ہے۔ جو دن ہم ہر روز نکلتا دیکھتے ہیں، یہ اسی کے زیادہ بڑے پیمانہ پر نکلنے کی خبر ہے۔ جو کل ہر روز ہمارے اوپر آتی ہے یہ اسی کے زیادہ بڑی صورت میں ظاہر ہونے کی اطلاع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر ہماری اپنی فطرت کی مانگ کو شعور تک پہنچاتا ہے، جس بات کے اشارے آج بھی کائنات میں موجود ہیں اس کو وہ یقینی علم کا درجہ عطا کرتا ہے۔

پیغمبر نے انسان کے لئے جو راہ عمل بتائی ہے وہ بھی حد درجہ قابل فہم ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ پیغمبر کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ کیوں کہ اتنی صحیح بات وہی کہہ سکتا ہے جو خدا کی طرف سے بول رہا ہو۔ پیغمبر یہ بتاتا ہے کہ انسان کے لئے راہ عمل یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے۔ عبادت کا مطلب ہے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا۔ اسی سے ڈرنا اور اسی سے محبت کرنا۔ اللہ ہی کو اپنا سب کچھ بنا لینا۔

انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک ایسا وجود ہے جو اپنی توجہات کا ایک مرکز چاہتا ہے۔ اس کو کوئی ایسا نقطہ درکار ہے جس کے اوپر وہ اپنی سوچ اور اپنے جذبات کو مرتکز کر سکے۔ یہ انسان کی ایسی ضرورت ہے جس سے وہ کسی حال میں خالی نہیں ہو سکتا، اور نہ کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس سے خالی ہو۔ کسی کا مرکز توجہ اس کے بیوی بچے ہیں۔ کسی کا مرکز اس کا قبیلہ اور برادری ہے۔ کسی کا مرکز توجہ قوم اور وطن ہے۔ کوئی دولت کو اور کوئی اقتدار کو اپنا مرکز توجہ بنائے ہوئے ہے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں جو حقیقۃً اس قابل ہو کہ انسان

اس کو اپنا مرکز توجہ بنائے۔ مرکز توجہ بننے کے قابل وہ ہو سکتا ہے جو انسان کو سہارا دے سکے۔ جو زندگی کے انجام کو بہتر بنانے میں انسان کی مدد کر سکتا ہو۔ مگر ان میں سے کسی چیز کو بھی یہ طاقت حاصل نہیں۔ یہ تمام چیزیں خود ہی دوسروں کی محتاج ہیں پھر وہ کسی انسان کی کیا مدد کر سکتی ہیں۔ پھر مرکز توجہ بننے کے قابل وہ ہے جس کو بیک وقت سارے انسان مرکز توجہ بنائیں اور اس کے باوجود معاشرہ میں کوئی بگاڑ پیدا نہ ہو۔ مگر ان میں سے ہر چیز کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہ تمام چیزیں جن کو آدمی عام طور پر مرکز توجہ بناتا ہے وہ محدود ہیں۔ ایک آدمی کا انھیں پانا ہمیشہ دوسرے آدمی کی محرومی کی قیمت پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماج میں مستقل چھین جھپٹ جاری رہتی ہے۔ ایک شخص جب پاتا ہے تو وہ دوسرے شخص سے چھین رہا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف خدا ہی کی شان ہے کہ بیک وقت سارے انسان اس کو پانے کے لئے دوڑیں اور پھر بھی لوگوں میں کوئی ٹکراؤ پیدا نہ ہو۔ کیوں کہ خدا مادی چیزوں سے بلند ہے، خدا ہر قسم کی محدودیت سے پاک ہے۔

انسانی سماج کا بہت بڑا مسئلہ یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی اچھا قانون بنایا جائے، انسان اس سے بچنے کا راستہ تلاش کر لیتا ہے۔ کسی کے پاس طاقت ہے تو وہ طاقت کے بل پر دھاندلی کرتا ہے۔ کسی کے پاس دولت ہے تو وہ دولت کے ذریعہ انصاف کو خرید لیتا ہے۔ کسی کے پاس الفاظ ہیں تو وہ خوبصورت الفاظ کے ذریعہ اپنے ظلم کو عدل ثابت کرتا ہے۔ غرض ہر ایک اپنے ناحق کو حق ظاہر کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی تدبیر پا لیتا ہے۔ مگر جب خدا کو درمیان میں کھڑا کر دیا جائے تو ہر آدمی محسوس کر لیتا ہے کہ اس کی تدبیریں بے معنی ہیں۔ تمام تدبیریں اسی وقت تک تدبیریں ہیں جب تک معاملہ انسان اور انسان کے درمیان ہو۔ جب معاملہ کو انسان اور خدا کا معاملہ بنا دیا جائے تو ہر آدمی مکمل طور پر سنجیدہ اور محتاط ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ خدا سے نہ کوئی بات چھپائی جا سکتی اور نہ وہاں کسی قسم کا کوئی زور چل سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا پرستی ہی واحد بنیاد ہے جس سے لوگوں میں قانون کے احترام کا جذبہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی بنیاد نہیں جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے۔

دنیا میں صحیح نظام بنانے کے لئے سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت پڑتی ہے وہ قربانی ہے۔ کہیں کسی کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ کہیں اپنے ایک کریڈٹ کو دوسرے کے حوالے کرنے پر راضی ہونا پڑتا ہے۔ کہیں اپنے گھر والوں کے مفاد کے مقابلہ میں دوسروں کے مفاد کو ترجیح دینی پڑتی ہے۔ کہیں اپنی محنت سے کمائے ہوئے مال کو دوسروں کے حوالے کر دینا پڑتا ہے۔ کہیں ایک ایسے کام میں اپنی قوتیں کھپانے کا سوال ہوتا ہے جس میں بظاہر کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ جب تک افراد میں اس قسم کی قربانی کا مزاج نہ ہو حقیقی معنوں میں کسی درست نظام کا قائم ہونا ممکن نہیں۔ اس کے بغیر ہر آدمی اپنی بات پر اصرار کرے گا اور نتیجۃً پورا سماج چھین جھپٹ کا سماج بن جائے گا۔ اگر یہی موجودہ دنیا سب کچھ ہو تو آدمی اس قسم کی قربانیاں کیوں کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جس سماج میں خدا کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو مرکز توجہ بنایا جائے وہاں مستقل فساد برپا رہتا ہے۔ لوگ قربانی دینے پر تیار نہیں ہوتے اس لئے صالح ماحول بننے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ مگر پیغمبر زندگی کے جس مقصد کی

نشان دہی کرتا ہے اس میں یہ مسئلہ نہایت خوبی کے ساتھ حل ہو جاتا ہے۔ اب قربانی کرنے کے لئے بہت بڑا محرک مل جاتا ہے۔ اب انسان جان لیتا ہے کہ اس کی ہر قربانی کی اللہ کے یہاں بہت بڑی قیمت ہے جو مرنے کے بعد اس کو ابدی زندگی میں لوٹائی جائے گی۔ یہ ذہن انسانی سماج میں ہر قسم کے ظلم کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور حق و انصاف کے لئے مضبوط ترین بنیاد فراہم کر دیتا ہے۔ اب ہر شخص اس قربانی کے لئے تیار ہو جاتا ہے جو ماحول کو صالح بنانے کے لئے ضروری ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے وہ وہی دین ہے جو خدا کے دوسرے پیغمبر لے کر آئے تھے۔ مگر دوسرے پیغمبروں کا دین ان کے بعد محفوظ نہ رہ سکا۔ ان کے بعد ان کے دین کے ماننے والے اتنے طاقت ور ثابت نہ ہو سکے کہ ان کے دین کو اس کی اصلی صورت میں محفوظ رکھ سکتے۔ پیغمبر اسلام کو اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کی حیثیت سے بھیجا اور ان کی خصوصی مدد کر کے ان کو تمام قوموں اور مذہبوں کے اوپر غالب کر دیا۔ آپ کی یہ غیر معمولی فتح ایک طرف آپ کے پیغمبر خدا ہونے کی دلیل بن گئی۔ آپ کی کامیابی اتنی غیر معمولی تھی کہ دنیا میں کبھی کسی کو ایسی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ یہ واقعہ اس بات کا ایک محسوس ثبوت ہے کہ آپ خدا کی طرف سے تھے اور خدا نے اپنی خصوصی مدد سے آپ کو یہ غلبہ اور کامیابی عطا فرمائی۔ کوئی عام آدمی کبھی اس قسم کی کامیابی پر قادر نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف آپ کی اسی کامیابی کے ذریعہ آپ کے لائے ہوئے دین کی مستقل حفاظت کا انتظام ہو گیا۔ آپ کی اس کامیابی کی وجہ سے آپ کے ماننے والوں کی ایک بہت بڑے رقبہ پر طاقت ور حکومت قائم ہو گئی۔ یہ حکومت آپ کے دین کی دائمی محافظ بن گئی۔ چنانچہ آپ کی آمد کو چودہ سو سال ہو گئے اور آج تک آپ کے دین میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکی۔ وہ اسی خالص صورت میں محفوظ ہے جس صورت میں آپ نے اس کو دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی پیغمبر آنے والا نہیں۔ آپ قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کے اوپر خدا کے پیغمبر ہیں۔ نیا پیغمبر آنے کی ضرورت ہمیشہ اس لئے پڑتی ہے کہ خدا کا دین اپنی اصلی صورت میں محفوظ نہ رہا ہو۔ پچھلے زمانہ میں بار بار ایسا ہوا کہ آسمانی کتاب کی حامل قومیں اپنی کتاب کو ضائع کرتی رہیں۔ اس لئے بار بار نبی آئے تاکہ خدا کی تعلیمات کو زندہ کریں اور ان کو دوبارہ ان کی صحیح صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کر دیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی صورت میں جو کتاب پیش کی وہ مکمل طور پر اپنی ابتدائی صورت میں محفوظ ہے اور پریس کا دور آنے کے بعد آخری طور پر محفوظ ہو چکی ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آپ آج بھی ایک زندہ نبی کی حیثیت سے ہمارے درمیان موجود ہیں۔ کیوں کہ آپ کے اقوال، آپ کے حالات، آپ کی پیغمبرانہ جد وجہد، غرض آپ کے پورے عمل کا ریکارڈ اس طرح مکمل طور پر محفوظ ہے کہ جب ہم اس کو پڑھتے ہیں تو گویا کہ ہم آپ کو اپنے درمیان محسوس کرنے لگتے ہیں۔ بحیثیت رسول آپ نے جو کچھ کیا وہ سب کا سب ہم شروع سے آخر تک آج بھی معتبر کتابوں میں دیکھ رہے ہیں۔ ایسی حالت میں اب نیا نبی آنے کی کیا ضرورت۔

حدیث کی اہمیت دین میں

ایک روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ آئی ہے۔ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

الا ھل عسی رجل یبلغہ الحدیث عنی ھو متکئ علی اریکتہ فیقول: بیننا وبینکم کتاب اللہ فما وجدنا فیہ حلالاً استحللنا ہ وما وجدنا فیہ حراماً حرمناہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ

سنو، ایسا ہوگا کہ ایک شخص کے پاس میری حدیث پہنچے گی۔ وہ اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہوگا، وہ سن کر کہے گا: ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کی کتاب ہے۔ ہم اس میں جو چیز حلال پائیں گے اس کو حلال قرار دیں گے۔ اور جس چیز کو اس میں حرام پائیں گے اس کو حرام قرار دیں گے۔ حالاں کہ جو اللہ کے رسول نے حرام کیا وہ ویسا ہی ہے جیسے اللہ نے حرام کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی موجودہ زمانہ میں پوری ہوگئی ہے۔ آج ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہدایت کے لئے صرف قرآن کافی ہے۔ ہم قرآن کو مانیں گے اور حدیث کو نہ مانیں گے۔ مگر یہ اتنی زیادہ بے معنی بات ہے کہ جو شخص ایسا کہے وہ صرف یہ اعلان کر رہا ہے کہ اس کی دیانت داری حد درجہ مشکوک ہے۔ حتیٰ کہ یہ یقین کرنا بھی مشکل ہے کہ وہ خدا کی کتاب کو صحیح معنوں میں مانتا ہے۔ کیوں کہ خدا کی کتاب کو ماننا اور خدا کی کتاب لانے والے کی بات کو نہ ماننا دونوں ایسی متضاد باتیں ہیں جو کسی ایک ذہن میں سنجیدگی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔

رائیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو سنجیدہ رائے ہو۔ دوسری وہ جو آدمی کی سنجیدہ رائے نہ ہو بلکہ اس نے محض تفنن یا شرارت کے طور پر اس کو اختیار کر لیا ہو۔ اس کی وضاحت کے لئے ایک مثال لیجئے۔ قرآن میں یہ حکم ہے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں قوت فراہم کرو (انفال ۶۰) یہاں قوت سے کیا مراد ہے، اس سلسلہ میں حدیث میں آیا ہے کہ قوت سے مراد تیر اندازی ہے (الا ان القوۃ الرمی) اب ایک شخص رمی کو دسعت دے کر کہہ سکتا ہے کہ اس سے مراد دور مار ہتھیار ہیں۔ دوسرا شخص لفظی مفہوم پر اصرار کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ اس سے مراد تیر کمان والی طاقت فراہم کرنا ہے۔ یہ دونوں رائیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ دونوں اپنی اپنی جگہ سنجیدہ ہوں اور پوری نیک نیتی کے ساتھ انھوں نے اپنی رائیں قائم کی ہوں۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ رمی کے معنی عربی زبان میں تہمت لگانے کے بھی آتے ہیں۔ اور یہاں یہ مراد ہے کہ دشمنوں پر خوب تہمت لگاؤ اور ان کی عیب جوئی کر کے ان کے مقابلہ میں طاقت حاصل کرو تو یہ ایک فضول بات ہوگی۔ یہ کوئی رائے نہیں بلکہ محض شوشہ ہے۔ حقیقی اظہار رائے کے لئے آدمی کا سنجیدہ ہونا ضروری ہے۔ جو اظہار رائے غیر سنجیدہ ذہن سے نکلا ہو اس کو اظہار رائے نہیں کہا جا سکتا۔ اس قسم کی تشریح نہ قواعد زبان کے اعتبار سے درست ہے اور نہ عقل کے

فہم کے اعتبار سے ۔۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حدیث دین میں حجت نہیں ہے وہ اسی دوسری قسم کی غلطی میں مبتلا ہیں۔ ان کی اس رائے کو رائے نہیں کہا جا سکتا بلکہ اسے فتنہ انگیزی کہا جائے گا۔ کیونکہ قرآن کو ماننا اور حدیث کو نہ ماننا اتنی زیادہ غیر معقول بات ہے کہ کوئی آدمی سنجیدگی کے ساتھ کبھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن سے متعلق دو ذمہ داریاں تھیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ آپ پر اترا ہے اس کو آپ اسی طرح پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں (وان اتلو القرآن، نمل ۹۲) دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ آپ لوگوں کے سامنے اترے ہوئے قرآن کی تشریح و توضیح کریں:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون (نحل ۴۴)	اور یہ قرآن ہم نے تمہارے اوپر اتارا تاکہ تو لوگوں کے سامنے وہ چیز بیان کر دے جو ان کے لئے اتری ہے تاکہ وہ غور کریں۔

پہلی ذمہ داری کے تحت آپ کو صرف یہ کرنا تھا کہ جو الفاظ آپ پر اتارے گئے ہیں ان کو ان کی اصلی صورت میں پڑھ کر سنا دیں۔ مگر دوسرا کام جو تبیین و وضاحت کا کام تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ آپ نازل شدہ الفاظ کے علاوہ مزید الفاظ بولیں۔ انھیں مزید وضاحتی الفاظ کا نام حدیث ہے۔ یہ مزید الفاظ اگرچہ داخل قرآن نہیں ہیں مگر وہ آپ کے منصب رسالت کا لازمی جزء ہیں۔ یہ خود خدا کے حکم کے تحت اور اس کے منصوبہ کے مطابق بولے گئے ہیں۔ اس لئے اللہ کی مرضی کو جاننے کے لئے وہ بھی اسی طرح مستند ہیں جس طرح قرآن مستند ہے اللہ کی قربت چاہنے والا کوئی بندہ جس طرح اللہ کی کتاب کو نظر انداز نہیں کر سکتا، اسی طرح وہ اللہ کے رسول کے کلام کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ ان میں جدائی ممکن نہیں۔

۲۔ قرآن ہم کو رسول کے ذریعہ سے ملا ہے۔ رسول کے کہنے ہی کی وجہ سے ہم یہ مانتے ہیں کہ یہ خدا کی کتاب ہے۔ پیغمبر کی صداقت پر ایمان لا کر ہی ہم قرآن کی صداقت پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر اسی پیغمبر کی زبان سے نکلی ہوئی دوسری باتوں کو ہم کیوں کر جھٹلا دیں گے۔ ابو داؤد کی روایت کے مطابق پیغمبر نے فرمایا: سن لو، مجھے یہ قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ اس کا مثل بھی (الا انی اوتیت ھذا القرآن ومثلہ معہ) ہم نے اپنی آنکھوں سے نہ جبریل کو دیکھا اور نہ یہ کہ جبریل آپ کو کتاب اللہ کی تعلیم کر رہے ہیں۔ صرف پیغمبر کے کہنے پر ہم یہ مانتے ہیں کہ آپ کو وحی متلو دی گئی ہے۔ پھر وہی پیغمبر جب یہ کہے کہ مجھ کو وحی غیر متلو بھی دی گئی ہے تو اس کے بعد کسی کے پاس وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر وہ یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ وحی متلو کی حد تک وہ پیغمبر کے بیان کو مانے گا اور وحی غیر متلو کے بارے میں وہ پیغمبر کے بیان کو چھوڑ دے گا۔ اس قسم کی متضاد رائے رکھنے کا کسی کے پاس کوئی منطقی جواز نہیں۔

۳۔ قرآن کو ماننے کے بعد عملی طور پر کسی کے پاس حدیث کو جانچنے کا صرف ایک ہی معیار رہ جاتا ہے اور وہ وہی ہے جس کا اعتبار خود قرآن کے سلسلے میں کیا جاتا ہے۔ یعنی روایت۔ جس کتاب کو ہم قرآن کہتے ہیں

اس کو بھی ہم قرآن اسی لئے سمجھتے ہیں کہ معتبر راویوں کی کثرت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ یہ میرے پاس خدا کی طرف سے اتری ہے۔ اسی طرح معتبر راویوں کے ذریعہ جب یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں قول یا فلاں حکم آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا قول یا حکم ہے تو صرف یہ ثابت ہو جانا ہی کافی ہے کہ اس کو بھی اسی طرح مقدس مانا جائے جس طرح ہم قرآن کو مقدس مانتے ہیں۔ معتبر راویوں کے ذریعہ کسی حدیث کا آپ سے انتساب ثابت ہو جانے کے بعد اس کو نہ ماننا صرف حدیث کو نہ ماننا نہیں ہے بلکہ یہ خود قرآن کو نہ ماننا ہے۔ کیونکہ حدیث اور قرآن دونوں جب راویوں کے ایک ہی سلسلے سے ہم تک پہنچ رہے ہوں تو حدیث کے معاملہ میں ان کی خبر رسانی کو مشکوک سمجھنے کے بعد قرآن کے معاملہ میں ان کی خبر رسانی کو قابل اعتماد سمجھنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

۴۔ یہ ایک معلوم اور مسلّم بات ہے کہ قرآن میں عام طور پر دین کے اساسی احکام ہیں، ان کی عملی تفصیلات قرآن میں درج نہیں ہیں۔ اب جو شخص قرآن کو ماننے میں سنجیدہ ہو وہ کبھی حدیث کے حجت ہونے پر شبہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائگی سے لے کر حدود کی اقامت تک کسی بھی قرآنی حکم پر وہ عملاً کاربند نہیں ہو سکتا جب تک وہ حدیث اور سنت سے مدد نہ لے۔ ایک آدمی اگر فی الواقع قرآن کو مانتا ہے تو ضرور ایسا ہوگا کہ قرآن میں جب وہ پڑھے گا کہ "نماز ادا کرو" تو وہ چاہے گا کہ قرآنی حکم کی تعمیل میں نماز ادا کرے۔ مگر اس کے بعد جب وہ قرآن میں اس کی عملی تفصیل ڈھونڈے گا تو وہاں اس کو اس کی تفصیل نہیں ملے گی۔ اب اگر وہ سنجیدہ ہے تو لازماً اس کی تلاش اس کو سنت تک لے جائے گی۔ کیوں کہ سنت کے سوا کوئی بھی دوسرا ذریعہ نہیں جس سے کوئی طالب قرآن یہ جان سکے کہ اقیموا الصلوٰۃ کے حکم کی تعمیل کی عملی صورت کیا ہے۔

اس معاملہ کے دو پہلو ہیں اور دونوں ہی کی تکمیل پیغمبر کی سنت سے ہوتی ہے۔ بعض اعمال ایسے ہیں جن کی صرف لفظی تفصیل بتانا کافی نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ ان کو کر کے دکھایا جائے۔ آدمی بالفعل ان کے دیکھنے کے بعد ہی ان پر عمل کر سکتا ہے۔ دوسرے اعمال وہ ہیں جن کے لئے اگرچہ عملی مظاہرہ ضروری نہیں مگر ان کو زیر عمل لانے کے لئے تفصیلی قواعد کی تشکیل ضروری ہوتی ہے۔ عبادات کا تعلق زیادہ تر پہلی قسم سے ہے اور حدود کا تعلق زیادہ تر دوسری قسم سے۔ یہ دونوں ہی باتیں وہ ہیں جن کو ہم صرف قرآن سے معلوم نہیں کر سکتے۔

ایک عالم نے اپنے سفر حجاز کے تاثرات کے ذیل میں لکھا تھا: کتب فقہ و حدیث کے درس و تدریس لمبا بیس پچیس سالہ مشغولیت کی بنا پر گمان تھا کہ بغیر کسی راہ نما کے بآسانی عمرہ کی ادائیگی مسنون طریقہ پر کی جا سکے گی۔ بحریت اللہ پہنچ کر اندازہ ہوا کہ تنہا کتابی علم نہ صرف کافی نہیں بلکہ عملی نمونہ کے بغیر علم سفینہ کیا علم سینہ بھی بے راہ ہی نہیں گمراہ بھی بنا سکتا ہے (الفرقان جون ۹ ، ۱۹) قرآن میں عبادت کے سلسلہ میں صرف اساسی احکام دئے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل حدیث میں ملتی ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ صرف لفظی احکام کو پڑھ کر کوئی شخص صحیح طور پر عبادت کی ادائگی نہیں کر سکتا۔ یہ ایسا کام ہے جو دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ نماز اس طرح پڑھو جیسے تم مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو (صلوا کما رأیتمونی اصلی، بخاری) حج کے بارے میں آپ نے فرمایا: تم مجھ کو

دیکھ کر حج کے طریقے سیکھ لو (خذوا عنی مناسککم، مسلم) صحابہ کرام نے رسول کو دیکھ کر عبادت کی، ان سے تابعین نے دیکھا اور ان سے تبع تابعین نے۔ اور اس طرح یہ سلسلہ ہوتے ہوتے ہم تک پہنچ گیا۔ اگر اس سلسلہ کو کاٹ دیا جائے اور رسول کے عملی نمونہ کو سامنے رکھے بغیر عبادت کرنے کی کوشش کی جائے تو کوئی شخص نہ اقیموا الصلوٰۃ پر عمل کر سکتا ہے اور نہ اتوا الخ پر۔

قرآن میں بہت سے جرائم کی سزائیں بتائی گئی ہیں مگر وہ مجمل صورت میں ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹ دو (السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما، مائدہ) آیت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ مگر اس حکم کو نافذ کرنے کے لئے بہت سی مزید تفصیلات درکار ہیں جن کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں۔ مثلاً چوری کی تعریف کیا ہے۔ کتنے مقدار کی چوری پر حد جاری کی جائے گی۔ پھر یہ کہ دونوں ہاتھ کاٹے جائیں گے یا ایک ہاتھ۔ جب ہاتھ کاٹا جائے گا تو کس مقام سے کاٹا جائے گا۔ اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب حدیث میں موجود ہے۔ اگر ہم حدیث کے تفصیلی بیانات کو شامل نہ کریں تو ہم قرآن کی بیان کردہ سزا کو عدالتی طور پر جاری نہیں کر سکتے۔

۵۔ عبداللہ بن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ قرآن میں جب یہ آیت اتری: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ جس دن کہ اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا، یہی ہے وہ جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا پس اب اپنے جمع کرنے کا مزا چکھو (توبہ) مسلمانوں کو یہ بات بہت بھاری معلوم ہوئی۔ انھوں نے کہا: ہم میں سے کوئی مال نہیں چھوڑ سکتا جو اس کے بعد بچوں کے کام آئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اس کو معلوم کرتا ہوں۔ وہ اور حضرت ثوبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اے خدا کے رسول، یہ آیت آپ کے اصحاب پر بہت شاق گزری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کیا ہے کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد تمھارا بقیہ مال پاک ہو جائے (ابن کثیر) اس طرح کی مثالیں کثرت سے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے حدیث کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔

۶۔ قدیم زمانے میں حافظے بہت قوی ہوتے تھے۔ عربوں کا حافظہ اور بھی زیادہ مشہور تھا۔ چنانچہ آپ کی باتیں لوگوں کو تقریباً اصلی صورت میں یاد ہو جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک گفتگو جو مختلف صحابہ نے الگ الگ بیان کی ہو جب ہم اس کو جمع کر کے دیکھتے ہیں تو مختلف روایتوں کے درمیان بہت کم لفظی فرق دکھائی دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مختصر اور جامع ہوتا تھا۔ مزید یہ کہ آپ اکثر اپنی بات کو ایک سے زیادہ بار دہراتے تھے۔ اس طرح آپ کے کلام کو یاد رکھنا بہت آسان ہو جاتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات فرماتے تو اس کو تین بار دہراتے، یہاں تک کہ وہ بات اچھی طرح لوگوں کی سمجھ میں آجائے (کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنہ، بخاری)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم اس کی بھی نگرانی فرماتے تھے کہ آپ کا کلام محفوظ کرنے میں کسی نے غلطی تو نہیں کی ہے۔ ایک صحابی کو آپ نے بتایا کہ سوتے وقت تم یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ جب آپ دعا کے کلمات بتا چکے تو ان سے کہا کہ اس کو دہراؤ۔ صحابی نے ایک کلمہ کو دہراتے ہوئے ذرا فرق سے اس طرح ادا کیا: آمنتُ بکتابك الذی انزلت وبرسولك الذی ارسلت۔ آپ نے فرمایا نہیں، اس طرح کہو: و بنبیك الذی ارسلت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے تھے خدا کی طرف سے فرماتے تھے۔ اس لئے آپ برابر لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ میری باتوں کو سن کر محفوظ رکھو اور ان کو تمام لوگوں تک پہنچا دو۔ آپ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: اللہ اس بندہ کو تروتازہ رکھے جس نے میری باتوں کو سنا پھر اس کو یاد کر لیا اور جس نے اس کو نہیں سنا ہے اس تک اس کو پہنچا دیا (نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فوعا واداها الی من لم یسمعها، بخاری) حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ وفد عبدالقیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس کو دینی احکام بتائے اور اس کے بعد فرمایا: اس کو یاد کر لو اور ان لوگوں کو باخبر کر دو جو تمھارے پیچھے ہیں (احفظوہ و اخبروا من وراءکم، بخاری) حجۃ الوداع کے خطبہ کے بعد آپ نے ایک لاکھ کے مجمع سے پوچھا: کیا میں نے تمھیں پہنچا دیا۔ لوگوں نے گواہی دی کہ ہاں آپ نے پہنچا دیا اور نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: سنو، جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچا دے، اس لئے کہ جس کو پہنچایا جائے ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہو جس نے مجھ سے سنا ہے (الا لیبلغ الشاھد الغائب فلعل من یبلغہ ان یکون اوعی لہ من بعض سمعہ، (بخاری) آپ کی اس تلقین کی وجہ سے آپ کے اصحاب خصوصیت سے آپ کا کلام محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آپ کی باتوں کو سنتے اور جب آپ مجلس سے چلے جاتے تو ہم یک جا ہو کر آپ کی باتوں کا دَور کرتے۔ ہم میں سے ہر شخص باری باری آپ کی سنی ہوئی باتوں کو دہراتا۔ جب ہم اس مجلس سے اٹھتے تو آپ کی باتیں ہم کو اس طرح یاد ہو جاتیں جیسے کہ وہ ہمارے دلوں میں بو دی گئی ہیں (مجمع الزوائد)

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تلقین کرتے تھے کہ وہ آپ کا کلام لکھ لیا کریں اور آپ خود بھی اپنی ہدایات ان کو لکھوا کر دیتے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور آپ کی باتوں کو بہت پسند کرتے تھے مگر یاد نہیں رکھ پاتے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی یادداشت کی خرابی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور اپنے ہاتھ سے لکھنے کی طرف اشارہ فرمایا (استعن بیمینك و اومأ بیدہ للخط، ترمذی) حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کو مقید کر لو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ مقید کرنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا لکھ لینا (مجمع الزوائد) صحابہ نے آپ کی پیروی میں یہی نصیحت اپنے بعد والوں کو کی —

حضرت انس نے اپنے بچوں کو مخاطب کر کے کہا: اے میرے بچو، اس علم کو لکھ لو (یا بنی قیدوا ھذا العلم، دارمی) اس طرح کے واقعات بہت ہیں۔ مختصر مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ تحفۃ الاحوذی مولفہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری

روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کے کلام کو لکھا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ایک روایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس اثنا میں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے (بینما نحن حول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکتب ۔۔۔ دارمی) چونکہ آپ اپنی ہر بات ٹھہر ٹھہر کر اور اکثر دہرا کر فرماتے تھے اس لئے سننے والوں کے لئے اس کو لکھ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا اس کو لکھ لیتا (ابوداؤد) حضرت عبداللہ بن عمرو کے پاس لکھتے لکھتے احادیث کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا جس کا نام انھوں نے صادقہ رکھا۔ وہ کہتے ہیں: صادقہ وہ کتاب ہے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے (فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مجدبن ہلال تابعی کہتے ہیں کہ حضرت انس سے جب لوگ کسی حدیث کی تحقیق کرتے تو وہ ایک دفتر نکال کر لاتے اور کہتے کہ یہ وہ احادیث ہیں جن کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہت سی چیزیں بول کر لکھواتے تھے۔ احکام، معاہدے، خطوط، دستاویز وغیرہ۔ اس قسم کی سیاسی دستاویزوں کو ڈاکٹر حمیداللہ صاحب نے جمع کر کے شائع کر دیا ہے۔ ۲۸۱ خطوط و وثائق پر مشتمل اس کتاب کا نام مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ ہے۔ آپ کا اس طرح لکھوانا بکثرت روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رض کہتے ہیں کہ ابوشاہ یمنی نے درخواست کی کہ یہ خطبہ میرے لئے لکھوا دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس خطبہ کو لکھوا کر ان کے حوالے کیا (ابوداؤد) حضرت عمرو بن حزم کو ۱۰ھ میں آپ نے نجران میں عامل بنا کر بھیجا۔ اس سلسلے میں حافظ بن حجر مکی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کے لئے صدقات، دیت، فرائض اور سنن کے متعلق ایک تحریر لکھوائی (کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الصدقات والدیات والفرائض والسنن لعمرو بن حزم وغیرہ، جامع بیان العلم)

خلاصہ یہ کہ احادیث کو آپ کے زمانہ ہی میں ہزاروں جاں نثار اصحاب نے محفوظ کرنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ لوگ زبانی یاد کر لیا کرتے تھے، کچھ لوگ لکھ کر محفوظ کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ صحابہ کے ذریعہ یہ ذخیرۂ احادیث تابعین کو منتقل ہوا اور پھر تبع تابعین کو۔ اس مدت میں نہ صرف کتابت کا اہتمام مسلسل جاری رہا بلکہ ایک مستقل علم حدیث وجود میں آیا جس کے تحت روایات اور راویوں کی فنی جانچ کی جانے لگی۔ یہاں تک کہ احادیث کا ذخیرہ ان مستقل کتابوں کی صورت میں باقاعدہ مدون ہو گیا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ثابت شدہ احادیث اسی طرح قابل اعتبار ہیں جس طرح قرآن۔

ایجنسی: ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیار اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دل چسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہوجاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت —— الرسالہ کی ایجنسی کم ازکم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت —— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

تفسیر دعوۃ القرآن

سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ

مرتبہ مولانا شمس پیرزادہ

عصر حاضر کے ذہن کو متاثر کرنے والی مختصر، مدلل اور جامع تفسیر جس میں جدید فکری گمراہیوں کے مقابلہ میں دعوت قرآنی کو اجاگر کیا گیا ہے اور تعلیمات ربانی کی حکمتوں، نظم کلام کے رموز اور مسائل حیات میں قرآن کی رہنمائی کو سہل اور دل نشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ صفحات ۱۸۴ ہدیہ صرف پانچ روپے

شائع کردہ: ادارہ دعوۃ القرآن ۵۹ محمد علی روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۳

اسلام کا تعارف

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۲۴، قیمت ۰/۵۰

اسلام

ایک عظیم جدوجہد

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۸۰ قیمت ۱/۶۰

مکتبہ الرسالہ

جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

سوشلزم

ایک غیر اسلامی نظریہ

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۷۲۔ قیمت ۱/۲۵

مارکسزم

تاریخ جس کو رد کر چکی ہے

از مولانا وحید الدین خاں

صفحات ۱۴۸ قیمت ۳/۰۰

مکتبہ الرسالہ

جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں
کے قلم سے

- دین کیا ہے
صفحات ۳۲ قیمت ۱/۵۰ روپے
- تجدیدِ دین
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- مذہب اور جدید چیلنج
صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۳/۵۰ روپے
- تعمیرِ ملّت
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- الاسلام
صفحات ۱۶۷ قیمت ۱۲/- روپے
- اسلام دینِ فطرت
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- ظہورِ اسلام
صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/- روپے
- زلزلۂ قیامت
صفحات ۶۴ قیمت ۳/- روپے
- اسلامی دعوت
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- تاریخ کا سبق
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- عقلیاتِ اسلام
صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- قرآن کا مطلوب انسان
صفحات ۸۰ قیمت ۴/۵۰ روپے
- مذہب اور سائنس
صفحات ۷۲ قیمت ۴/-
- پیغمبرِ اسلام
صفحات ۴۸ قیمت ۲/-
- سبق آموز واقعات
صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

مکتبہ الرسالہ جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۱۱۰۰۰۶

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

REGD. R. N. NO 23822/76
REGD. D. (D.) NO. 532

July 1980
Issue No. 44

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING QASIMJAN STREET DELHI-110006 (INDIA) PHONE 232231

ہر قسم کی کتابیں

قرآن، دینیات اور دوسرے موضوعات پر
کسی بھی ادارہ کی چھپی ہوئی

ہم سے طلب کیجئے

مکتبہ الرسالہ

جمعیت بلڈنگ "قاسم جان اسٹریٹ دہلی"